رسومِ دہلی

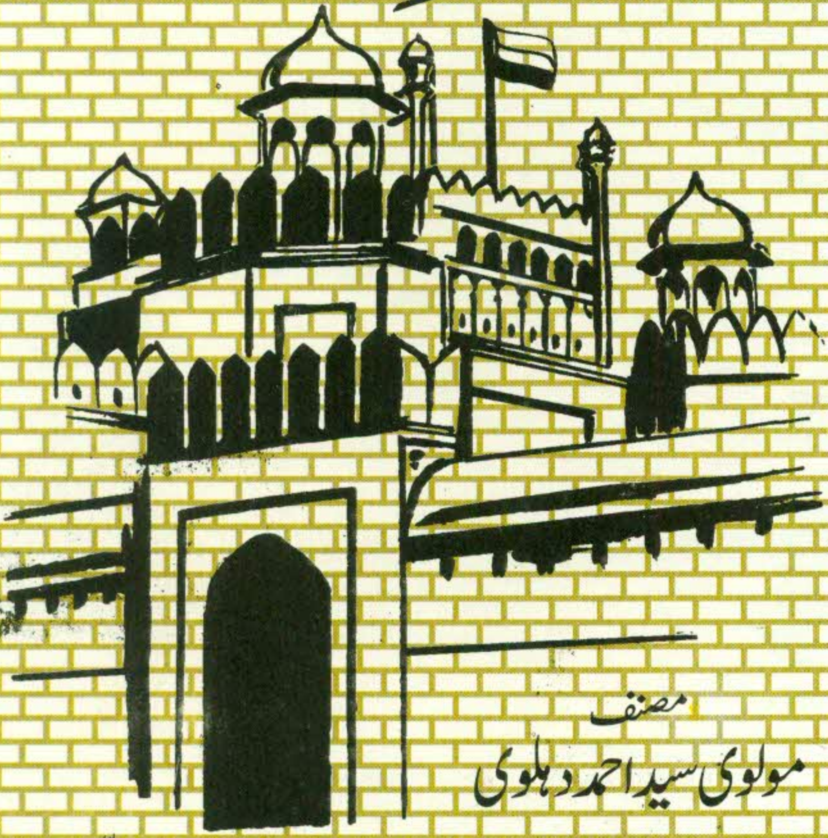

مصنف
مولوی سید احمد دہلوی

مرتّبہ
خلیق انجم

اردو اکادمی دہلی

رسومِ دہلی

تصنیف

مولوی سید احمد دہلوی

مرتّبہ

خلیق انجم

Ahsan Raza Book Bank
AND LIBRARY SUPPLIERS
Punjab University Old Campus
New Anarkali Lahore.
0323-4251011

اُردو اکادمی دہلی

سلسلہ مطبوعات اردو اکادمی دہلی نمبر ۵

RUSOOM-E- DEHLI

Edited by
Khaliq Anjum
Pub.by
URDU ACADEMY, DELHI
Prints
1986, 2006, 2013
Rs.40.00
150/2

ضابطہ

سنین اشاعت
۱۹۸۶، ۲۰۰۶، ۲۰۱۳ء
چالیس روپے
شوبی آفسیٹ، ۲۸۱۸، گلی گڑھیا، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
اردو اکادمی، دہلی، سی۔پی۔او۔ بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی ۱۱۰۰۰۶
ISBN: 81-7121-006-6

فہرست

۱	پیش لفظ	۷
۲	مقدمہ	۹
۳	تمہید	۵۸
۴	بچّہ پیدا ہونے کی رسمیں	۶۳
۵	ستوانسا	۶۳
۶	نوماسا	۶۴
۷	جچاگیریاں	۷۰
۸	چھٹی	۷۴
۹	عقیقہ	۷۶
۱۰	زچّہ کا تارے دیکھنا	۷۷
۱۱	روٹ کا نقشہ	۸۰
۱۲	سر دان کرنے کی رسم	۸۳
۱۳	رتجگہ	۸۴
۱۴	چلّے	۸۵
۱۵	لوری	۸۷
۱۶	مرنڈوں کی رسم	۸۹
۱۷	دانتوں کے نکلنے کی رسم	۹۰
۱۸	سالگرہ	۹۰
۱۹	دودھ بڑھانا	۹۰
۲۰	رسم ختنہ	۹۱
۲۱	گھوڑی چڑھانا	۹۳
۲۲	ناک کان چھدوانے کی رسم	۹۳
۲۳	رسم بسم اللہ	۹۴
۲۴	ھدیہ	۹۵
۲۵	آمین	۹۶
۲۶	روزہ	۹۸
۲۷	مونچھوں کا کونڈہ	۹۸
۲۸	بیاہ شادی کی رسمیں	۹۹
۲۹	ایجاب وقبول	۱۰۳
۳۰	بات	۱۰۶

۳۱ رقعہ ۱۰۷
۳۲ منگنی ۱۰۸
۳۳ بیاہ مانگنا ۱۱۴
۳۴ مائیوں بٹھانا ۱۱۵
۳۵ سہاگ گھوڑیاں ۱۱۷
۳۶ ابٹنا کھیلنا ۱۲۰
۳۷ ساچق ۱۲۱
۳۸ شربت پلائی ۱۲۷
۳۹ منہدی ۱۲۸
۴۰ برات ۱۲۹
۴۱ صحنک ۱۳۰
۴۲ برات کی نیاری ۱۳۲
۴۳ سہرا ۱۳۷
۴۴ مبارک باد ۱۳۸
۴۵ ریت رسم ۱۳۸
۴۶ ٹونا ۱۴۲
۴۷ آرسی مصحف ۱۴۴
۴۸ جہیز ۱۴۶
۴۹ سامانِ جہیز ۱۴۶
۵۰ منڈھا ۱۴۹
۵۱ رخصت کے گیت کا ترجمہ اور مطلب ۱۵۰
۵۲ بنڑا ۱۵۳
۵۳ چوتھی ۱۵۵
۵۴ چالے ۱۵۷
۵۵ فصد، جلاب اور جونکوں کے موقع کی رسم ۱۵۸
۵۶ سفر کی رسمیں ۱۵۹
۵۷ رسومِ میّت ۱۶۱
۵۸ عہد نامہ کا ترجمہ ۱۶۵
۵۹ بیان ۱۶۸
۶۰ فاتحہ سوم یا پھول جسے تیجا کہتے ہیں ۱۷۰
۶۱ چالیسواں ۱۷۳
۶۲ عرفہ ۱۷۴
۶۳ تبارک ۱۷۴
۶۴ دلیا ۱۷۶
۶۵ سہاگنوں اور راونوں کی فاتحہ ۱۷۶
۶۶ فصل کی ترکاریاں ۱۷۶
۶۷ اذکار مردگاں ۱۷۶
۶۸ قبروں کی درستی ۱۷۷
۶۹ شہید مردے ۱۷۷
۷۰ شہدائے کربلا ۱۷۸
۷۱ شب برات ۱۸۰
۷۲ عیدی ۱۸۲
۷۳ فرہنگ مرتبہ سید یوسف بخاری ۱۸۴
۷۴ اشارات ۲۰۸

پیش لفظ

دلّی ہمیشہ ہندوستان کے دل کی دھڑکنوں کا محور و مرکز رہی ہے۔ اسی لیے عالم میں انتخاب اس شہر بے نظیر کی تاریخ و تہذیب، علم و فن اور زبان و ادب کو پورے ملک کی نمائندگی کا شرف حاصل ہے۔ آزاد ہندوستان کی یہ تاریخی راجدھانی بجاطور پر اردو زبان وادب کی راجدھانی بھی کہی جاسکتی ہے۔ اسی کے گرد و نواح میں کھڑی بولی کے بطن سے زبانِ دہلوی یا اردو نے جنم لیا جو اپنی دھرتی کی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشرتی ضرورتوں کے زیرِ سایہ نشو و نما پاکر اس عظیم تہذیب کی ترجمان بن گئی جسے ہم گنگا جمنی تہذیب کا نام دیتے ہیں اور جو ہماری زندہ و تابندہ تاریخی وراثت ہے۔

دلّی کے ساتھ اردو زبان اور اردو ثقافت کے اسی قدیم اور اٹوٹ رشتے کے پیشِ نظر ۱۹۸۱ء میں دہلی اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا اور ایک چھوٹے سے دفتر سے اکادمی نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ آج دہلی اردو اکادمی کا شمار اردو کے فعّال ترین اداروں میں ہوتا ہے۔ اردو زبان و ادب اور اردو ثقافت کو فروغ دینے کے لیے اکادمی مسلسل جو کوششیں کر رہی ہے، انھیں نہ صرف دہلی بلکہ پورے ملک نیز بیرونی ممالک کے اردو حلقوں میں بھی کافی سراہا گیا ہے۔

اکادمی کے دستور العمل کی رو سے دہلی کے لیفٹننٹ گورنر پہلے اکادمی کے چیئرمین

ہوتے تھے، دہلی میں منتخب حکومت کے قیام کے بعد اکادمی کے چیئرمین دہلی کے وزیر اعلیٰ ہوگئے ہیں جو دو سال کے لیے اکادمی کے اراکین کو نامزد کرتے ہیں۔ اراکین کا انتخاب دہلی کے ممتاز ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور اساتذہ میں سے کیا جاتا ہے جن کے مشوروں کی روشنی میں چیئرمین کی منظوری سے اکادمی مختلف کاموں کے منصوبے بناتی اور انھیں رو بہ عمل لاتی ہے۔ اکادمی اپنی سرگرمیوں میں دہلی اور بیرونِ دہلی کے دیگر اردو اداروں سے بھی باہمی مشورت اور تعاون قائم رکھتی ہے۔

اردو اکادمی، دہلی اپنی جن گوناگوں سرگرمیوں کی وجہ سے پورے ملک میں اپنی واضح پہچان قائم کرچکی ہے، ان میں ایک اہم سرگرمی اکادمی کی طرف سے ایک معیاری ادبی رسالے ماہنامہ ''ایوانِ اردو'' اور ''بچوں کا ماہنامہ امنگ'' کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ معیار کی علمی اور ادبی کتابوں کی اشاعت بھی ہے۔

اردو اکادمی، دہلی نے بہت سی ان کتابوں کے نئے ایڈیشن شائع کیے ہیں جو بہت پہلے دہلی کی تہذیبی اور سماجی زندگی پر لکھی گئی تھیں اور جو اب بالکل نایاب ہوچکی ہیں۔ ان کتابوں کی مدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ ''رسوم دہلی'' بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اکادمی کی اشاعتی کمیٹی کی درخواست پر ڈاکٹر خلیق انجم نے اس کتاب کو ترتیب دیا اور اس پر خاصا تفصیلی مقدمہ لکھ کر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۸۶ء میں شائع کی گئی تھی، اب اس کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا جارہا ہے۔

ہم اردو اکادمی دہلی کی چیئرپرسن محترمہ شیلا دکشت کے ممنون ہیں جن کی سرپرستی اکادمی کی کارکردگی میں معاون ہوتی ہے۔ اکادمی کے دیگر ممبران کے سرگرم تعاون اور مفید مشورے ہمارے لیے رہنمائی کا کام کرتے ہیں جس کا اعتراف ضروری ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ زیرِ نظر کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ ادبی حلقوں میں پسند کی جاتی رہے گی۔

انیس اعظمی
سکریٹری

مقدمہ

مولوی سیّد احمد دہلوی کم سے کم اڑتیس چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف مؤلف اور مرتّب تھے۔ چار جلدوں میں اُن کی مرتبہ "فرہنگِ آصفیہ" کی وجہ سے تاریخ ادبِ اُردو میں اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

سیّد صاحب کی وفات کو اگرچہ ابھی کل ساٹھ پینسٹھ سال گزرے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اُن کے حالاتِ زندگی بہت کم ملتے ہیں۔ خود سیّد صاحب نے "فرہنگِ آصفیہ" کی پہلی جلد میں اپنے مختصر سوانح لکھ دیے تھے۔ ورنہ اُن کے اتنے حالات بھی نہ معلوم ہوتے۔ بشیر الدین احمد دہلوی نے "واقعاتِ دار الحکومت" (جلد دوم) میں، لالہ سری رام نے "خم خانۂ جاوید" (جلد چہارم) میں، بعد کے لکھنے والوں میں حامد حسن قادری نے "داستانِ تاریخ اردو" میں اُن کے مختصر سے حالات لکھے ہیں۔ غلام یزدانی صاحب نے ایک مضمون لکھا تھا "پچاس برس پہلے کی دلّی"۔ یہ مقالہ ساقی (دہلی) کے سالنامے (۱۹۴۵ء) میں شائع ہوا تھا۔ اس مقالے میں اگرچہ سیّد صاحب کا ذکر بہت مختصر ہے، لیکن ایک تو سیّد صاحب کا پہلی بار حلیہ بیان کیا گیا ہے اور فرہنگ نویسی سے اُن کے غیر معمولی شغف کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔

تقریباً پچیس سال قبل ترقی اردو بورڈ (کراچی) نے "رسومِ دہلی" کا نیا اڈیشن شائع کیا تو یوسف بخاری صاحب نے اس اڈیشن کا مقدمہ لکھا۔ یہ مقدمہ

پہلی بار سہ ماہی، اردو نامہ، کراچی، اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا تھا۔ یوسف بخاری صاحب سیّد احمد دہلوی کے عزیزوں میں ہیں لیکن انھوں نے تقریباً وہی حالات بیان کر دیے، جو سید صاحب نے "فرہنگِ آصفیہ" میں لکھے تھے۔

دہلی یونیورسٹی میں اردو ایم فل میں طالبِ علم کسی موضوع پر ایک مختصر تحقیقی مقالہ بھی لکھ سکتے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں پروفیسر ظہیر احمد صدیقی کی نگرانی میں شمیم جہاں صاحبہ نے "سید احمد دہلوی —— حیات اور ادبی خدمات" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھا، مقالہ محنت سے لکھا گیا ہے۔ مقالہ نگار کی مجبوری یہ تھی کہ اُن کے مآخذ صرف وہی تھے، جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور دوسرے بہ قول اُن کے پوری کوشش کے باوجود ان کی کئی کتابیں دستیاب نہیں ہو سکیں۔ جس کی وجہ سے ان کتابوں کا تعارف نہیں کرایا جا سکا۔[۱]

سیّد احمد دہلوی کا بیان ہے کہ اُن کا خاندانی شجرہ اس آگ کی نذر ہو گیا، جو سیّد صاحب کے گھر میں ۸ر فروری ۱۹۱۲ء کو لگی اور جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ اس لیے سیّد صاحب نے یادداشت سے سات پشتوں تک شجرہ مرتب کیا ہے۔ سیّد صاحب کے بزرگ علما و ساداتِ بخارا، حسنی و حسینی سیّد۔ از اولادِ امجاد حضرتِ غوث الثقلین، پیرِ دستگیر، جناب عبد القادر جیلانی رح سے تھے۔ حاجی سید سلیمان شاہ جو موضع بارو، پرگنہ ملکی، صوبۂ بہار کے رئیس تھے، سیّد صاحب کے مورثِ اعلا اور سیّد صاحب اُن کی آٹھویں پشت میں تھے۔ اپنے بزرگوں کے بارے میں سیّد احمد دہلوی نے لکھا ہے کہ "حاجی سیّد سلیمان شاہ کے فرزندِ اکبر

ا۔ سیّد صاحب کی زندگی کے بیشتر حالات "فرہنگِ آصفیہ" (جلدِ اول) سے لیے گئے ہیں۔

سیّد عمر علی، سیّد عمر علی کے فرزندِ رشید سیّد ارزاں علی، اُن کے بیٹے، جن کا صحیح نام یاد نہیں مگر عرف سیّد پلٹ علی سنتے آئے ہیں، اُن کے خلف الصدق سیّد کرم علی اُن کے فرزندِ ارجمند جناب سیّد خواجہ علی، یعنی اس عاجز (سیّد احمد دہلوی) کے جدِّ امجد۔ اُن کے صاحبزادے عالی جناب حافظ قاری مولوی سیّد عبد الرحمٰن صاحب تھے۔ سیّد عبد الرحمٰن کے ہاں دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔ سیّد احمد دہلوی اور سیّد حسین عرف منّا۔ سیّد حسین کا ۱۸۶۸ء میں انیس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔"

سیّد صاحب کی ولادت ۹ر محرم الحرام ۱۲۶۲ھ مطابق ۸ر جنوری ۱۸۴۶ء سہ شنبے کے دن ہوئی۔ اس وقت سیّد صاحب کے والدین ایک معزز رئیس اور ملازم شاہی حافظ بہار الدین کے مکان واقع بلاقی بیگم[۱] میں رہتے تھے۔

۱۔ کوچہ بلاقی بیگم اب بھی دہلی میں موجود ہے۔ اس کوچے کے بارے میں غالبؔ نے یوسف مرزا کے نام ایک خط مورخہ ۲۸ر جولائی ۱۸۵۹ء کو لکھا ہے: "اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ گوروں کا بارک بھی شہر میں بنے گا اور قلعے کے آگے جہاں لال ڈگی ہے۔ ایک میدان نکالا جائے گا۔ محبوب کی دکانیں، بھبلیوں کے گھر، فیل خانہ، بلاقی بیگم کے کوچے سے خاص بازار تک، یہ میدان ہو جائے گا۔" (غالبؔ کے خطوط، جلد ۲، ص ۲۷۷۔) ۲ر دسمبر ۱۸۵۹ء کو کوچہ بلاقی بیگم کے بارے میں غالبؔ نے میر مہدی مجروحؔ کو لکھا: "تم آتے ہو، چلے آؤ۔ جاں نثار خاں کے چھتے کی سڑک، خان چند کے کوچے کی سڑک دیکھ جاؤ، بلاقی بیگم کے کوچے کا ڈھہنا، جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز گول میدان نکلنا سن جاؤ۔" (غالب کے خطوط، جلد ۲، ص ۵۱۵) ۱۷ر دسمبر ۱۸۵۹ء کے خط میں غالبؔ نے حسین مرزا کو لکھا: "فیل خانہ، ملک پیرا، لال ڈگی کے محاذی کے مکانات سب گرائے گئے بلاقی بیگم کا کوچہ التوا میں ہے۔ اہلِ فوج ڈھانا چاہتے ہیں۔ اہلِ قلم بچاتے ہیں۔ پایانِ کار دیکھیے کیا ہو۔" غالب کے (بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

سیّد صاحب کی عمر چھ سات مہینے تھی کہ اُن کے والد نے شاہ صابر بخش صاحب کے باغ میں موتی بیگم زوجہ ظہور علی سے مکان خرید لیا اور اس میں منتقل ہو گئے۔ آج کل یہ علاقہ دریا گنج کہلاتا ہے اور اب وہاں بہت سے مکان اور دکانیں بن گئی ہیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سیّد احمد دہلوی کے والد بزرگوار سیّد عبدالرحمان صاحب تھے۔ یہ مونگیر کے باشندے تھے بہ قول سیّد احمد دہلوی "اپنے دین کے بہت بڑے پکّے اور راسخ الاعتقاد مسلمان تھے۔ علما سے دہلی کا شہرہ سن کر دینیات میں ترقی اور کتبِ متداولہ کی تکمیل کی غرض سے عالمِ شباب ہی میں وطن چھوڑ کر دہلی چلے آئے تھے۔ یہاں آکر ساداتِ[1] عرب سرائے کے قبیلہ بالفقیہہ

(بقیہ صفحہ ۱۱ سے آگے) خطوط، جلد ۲، ص ۶۸۱- (میرا ذاتی خیال ہے کہ بلاقی بیگم کے کوچے کا کچھ حصہ گرا دیا گیا اور کچھ باقی رہا - خلیق انجم)

۱؎ دہلی میں ہمایوں کے مقبرے کے بالکل متصل عرب سرائے ہے۔ ہمایوں بادشاہ کی بیوی اور اکبر بادشاہ کی والدہ نواب حاجی بیگم نے ۹۶۸ھ مطابق ۱۵۶۰ء میں یہ سرائے بنائی تھی اور یہاں وہ عرب آباد کیے تھے، جنہیں وہ حج سے واپسی پر حضر موت، صوبۂ یمن، واقع عرب سے اپنے ساتھ لائی تھیں، کہتے ہیں کہ حاجی بیگم تین سو عرب اپنے ساتھ لائی تھیں۔ سو عرب ساداتِ عالیات سے تھے، سو مشائخ کبار سے اور سو عوام الناس سے۔ ان عربوں کو ہمایوں بادشاہ کی قبر پر فاتحہ خوانی اور اُن کی روح کو ثواب رسانی کی غرض سے مقرر کیا گیا تھا۔ عربوں کی اس آبادی کا نام عرب سرائے رکھا گیا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں برطانوی حکومت نے معاوضہ دے کر عرب سرائے پر قبضہ کر لیا اور اس کے اندر کی ساری عمارتوں کو گرا دیا۔ عرب سرائے میں رہنے والے جنگ پورہ میں منتقل ہو گئے۔

میں اپنی شادی کر لی۔" سیّد عبدالرحمٰن کو مولوی اسمٰعیل اور مولوی سید احمد شہید بریلوی سے بہت عقیدت تھی۔ بیشتر وقت اُن کی صحبت میں گزارتے تھے۔ اس لیے ان حضرات کے ساتھ سوات بنیر پہنچے۔ اور جب یہ دونوں حضرات جنگ میں شہید ہو گئے تو ٹونک ہوتے ہوئے دہلی واپس آ گئے اور باقی زندگی یہیں گزار دی۔ اسی زمانے میں سیّد عبدالرحمان صاحب دہلی کے دو رئیسوں فوجدار خاں صاحب اور سیّد اشرف علی صاحب کے بچّوں کے اتالیق مقرر ہوئے اور صابر بخش کی درگاہ کے قریب ایک پرانی مسجد تھی، اُس کے مستقل پیش امام مقرر ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران سیّد عبدالرحمٰن اہل و عیال کو لے کر عرب سرائے میں پناہ گزین ہو گئے۔ تقریباً ۴۳ سال یہیں مقیم رہے۔ ۱۹۰۰ء میں سیّد احمد دہلوی ترکمان دروازے پر حویلی مظفر خاں میں منتقل ہو گئے۔ آٹھ سال اس حویلی میں رہے۔ ۱۹۰۸ء میں کوچہ پنڈت میں گلی سوار خاں کے ایک مکان میں رہائش اختیار کر لی۔ ۱۹۱۶ء میں گلی شاہ تارا میں منتقل ہو گئے اور یہیں اُن کا انتقال ہوا۔

سیّد احمد دہلوی نے "فرہنگِ آصفیہ" میں اپنے حالات تو بیان کیے ہیں، لیکن یہ نہیں بتایا کہ اُن کی تعلیم کہاں ہوئی اور اُن کے استاد کون حضرات تھے۔ جناب حامد حسن قادری نے "داستانِ تاریخِ اردو" میں لکھا ہے کہ "سیّد احمد دہلوی نے رسمی تعلیم مختلف مشہور اساتذہ سے اور پھر نارمل اسکول دہلی میں حاصل کی۔" یہ بتانا مشکل ہے کہ سیّد صاحب نے کہاں تک تعلیم حاصل کی، ہاں اُن کی بعض تصنیفات سے، خاص طور سے "فرہنگِ آصفیہ" کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کے علاوہ انہیں فارسی اور انگریزی پر اچھی قدرت حاصل تھی، ممکن ہے کہ عربی بھی پڑھی ہو۔

سیّد صاحب نے طویل عرصے تک مختلف ملازمتیں کیں، لیکن اُن کی مکمل تفصیل نہیں ملتی۔ صوبۂ بہار کے انسپکٹر مدارس ایس۔ ڈبلیو۔ فیلن انگلش اردو لغت مرتّب کر رہے تھے۔ یہ لغت "نیو انگلش ہندوستانی ڈکشنری" کے نام سے ۱۸۸۳ء میں بنارس سے شائع ہوئی۔ فیلن نے سیّد صاحب کو ۱۸۷۳ء میں داناپور بلالیا۔ سات سال تک سیّد صاحب کا یہیں قیام رہا[1]۔ یہ کام مکمل ہوگیا تو مہاراجا الور نے اپنا سفرنامہ لکھنے کے لیے انہیں الور بلالیا۔ چھ مہینے سیّد صاحب الور رہے اور بہ قول حامد حسن قادری "معقول تنخواہ اور انعام لے کر واپس آئے۔ اس کے بعد گورنمنٹ بک ڈپو پنجاب میں نائب مترجم ہوکر چلے گئے۔ سیّد صاحب نے دہلی اور شملے کے سرکاری اسکولوں میں ملازمت کی اور پنشن پائی۔" لالہ سری رام کے بیان کے مطابق سیّد صاحب فارسی کے مدرّس تھے۔ سری رام نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ اُن کے چچا ماسٹر پیارے لال نے سیّد صاحب کو پہلے پہل سررشتۂ تعلیم میں ملازم کرایا تھا۔

سیّد احمد دہلوی نے ۱۸۸۴ء میں دہلی سے "اخبار النسا" کے نام سے ایک رسالہ نکالا۔ جو تقریباً دو سال تک جاری رہا۔

سیّد صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ اُن کی پہلی شادی مرزا صادق بیگ کی صاحبزادی مغلانی بیگم سے ہوئی۔ مغلانی بیگم کے بطن سے سیّد صاحب کے ہاں چودہ بچے پیدا ہوئے۔ اُن میں دو بچیوں سیّد بیگم اور محمودی بیگم کے علاوہ تمام بچے

---

[1] سیّد احمد دہلوی کے حریفوں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ فیلن نے اپنی لغت کے لیے جو مواد فراہم کیا تھا، سیّد صاحب نے اُسے "فرہنگِ آصفیہ" میں استعمال کیا۔ یہ الزام غلط، مہمل اور بے بنیاد ہے۔

صغر سنی ہی میں انتقال کر گئے۔ سیّد بیگم کی شادی دہلی کی شاہی مسجد کے امام شمس العلما مولوی سیّد احمد صاحب سے ہوئی۔ آخری عمر میں مغلانی بیگم کا دماغ خراب ہوگیا تھا۔ اس لیے سیّد احمد دہلوی نے انھیں طلاق دے کر ناصر مرزا صاحب کی صاحبزادی حاتم زمانی بیگم سے دوسری شادی کر لی۔ حاتم زمانی بیگم کے بطن سے ۱۳ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام سعید احمد عرف دربار احمد رکھا گیا۔ تاریخی نام سیّد مظہر علی تھا۔ چوں کہ یہ بچّہ ۱۳ دسمبر ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوا تھا اور یہ وہ دن تھا جب دہلی میں دربار ۱۳۲۹ھ ہوا تھا اور جارج پنجم کی تاج پوشی ہوئی تھی، اسی لیے سیّد صاحب نے اس بچّے کا نام دربار احمد رکھا۔ اس بچے کی ولادت کے وقت سیّد صاحب کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ غالباً اُن کی پیرانہ سالی کے پیشِ نظر نظام حیدرآباد نے دربار احمد کا ۱۹۱۵ء میں پچاس روپے ماہوار کلدار کا منصب مقرر کر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں جب سیّد صاحب نے اس بچّے کی ختنہ اور بسم اللہ کی تقریب کی تو نواب حیدرآباد نے پانچ سو روپے کلدار دیے۔ دربار احمد کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے یوسف بخاری صاحب نے لکھا ہے کہ "قیام پاکستان کے بعد، ۱۹۴۷ء میں دربار احمد (دہلی سے) کراچی آگئے۔ وظیفۂ دکن مدّت ہوئی منقطع ہوگیا۔ آج کل ذریعۂ معاش ملازمت ہے۔ محکمۂ پی ڈبلیو۔ ڈی کراچی میں ملازم ہیں۔ دربار احمد کی شادی عزیزہ بیگم بنت سیّد محمد حسن سے ہوئی، جو درگاہ حضرت سیّد حسن رسول نما کے سجادہ نشین ہیں، کافی عیال دار ہیں۔ سات لڑکیاں اور صرف ایک لڑکا ہے۔ ابھی تک صرف ایک لڑکی کی شادی ہوئی ہے۔ نہایت عسرت لیکن بڑی مستقل مزاجی اور وضع داری سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔" یوسف بخاری صاحب نے یہ حالات ۱۹۶۱ء میں لکھے تھے۔ اب پتا نہیں کہ دربار احمد صاحب حیات ہیں یا نہیں اور اگر حیات ہیں تو کس حال میں ہیں۔ دربار صاحب کی دو بہنیں تھیں۔ سیّد بیگم جو مغلانی بیگم کے بطن سے تھیں اور محمودی بیگم جو دربار صاحب

کی سگی بہن تھیں۔

سیّد صاحب کی دوسری بیوی حاتم زمانی بیگم کا ۱۵ محرم ۱۳۷۴ھ کو کراچی میں انتقال ہو گیا۔

غلام یزدانی صاحب نے سیّد صاحب کا حلیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "مولوی صاحب کا حلیہ اور عادت ڈاکٹر جانسن کی شکل و صورت اور خصائل سے ملتے جلتے تھے۔ دونوں کی بصارت کم، دونوں کا مٹاپے کی وجہ سے بے ہنگم جسم۔ مولوی سیّد احمد کی پلکیں بالکل جھڑ گئی تھیں اور برنیوں کی وجہ سے پپوٹوں کے کنارے بالکل سرخ رہتے تھے پھر بھی مطالعے اور تصحیح کے کام میں مشغول رہتے تھے۔" اپنی صحت کے بارے میں سیّد صاحب نے لکھا ہے: "خود ہماری آٹھوں پہر کی روزانہ جمتول نشست نے مصائب کے ضمن میں یہ مزید عنایت فرمائی کہ پیٹ بڑھا کر توندل بنا دیا۔ ریاحی بواسیر، ضعفِ مثانہ بہم پہنچا دیا۔ معدہ بگاڑ دیا۔ اعصاب کو ڈھیلا کر دیا، جس سے چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔ گویا تندرست جان کو ایک روگ لگا دیا۔" (فرہنگ آصفیہ جلد۱)۔ بشیر الدین احمد نے "واقعاتِ دارالحکومت" میں لکھا ہے کہ "آخری عمر میں بصارت نے جواب دے دیا تھا، مگر مرتے دم تک اپنا مشغلہ تصنیف جاری رکھا" اس بیان سے غالباً مراد یہ ہے کہ اُن کی بصارت بہت کم زور ہو گئی تھی۔

بہتّر سال کی عمر میں ۱۹ رجب ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۱۸ء اتوار کے دن سیّد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ انھیں باغیچی پیرزادہ بیگم مولوی عبداللہ بافقیہ شافعی، واقع قطب روڈ میں مدفون کر دیا گیا۔

سیّد احمد دہلوی کو طالب علمی کے زمانے سے تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ ابھی وہ زیرِ تعلیم ہی تھے کہ انھوں نے ایک طویل فارسی نظم "طفلی نامہ" لکھی۔ ۱۸۶۸ء میں جب سیّد صاحب کی عمر بائیس سال تھی، انھوں نے خط و کتابت سکھانے کے لیے

"انشائے تقویۃ الصبیان" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ۱۸۶۹ء میں انھوں نے "کنز الفوائد" کے نام سے ایک کتاب شائع کی، جس پر حکومت نے انہیں ڈیڑھ سو روپے کا انعام دیا۔

۱۸۶۸ء میں سیّد صاحب نے "فرہنگِ آصفیہ" کی ترتیب کا کام شروع کیا۔ اس لغت کی ترتیب و تدوین اور طباعت کی تکمیل میں تقریباً تیس سال لگے۔ ابتدا میں سیّد صاحب کے بھائی سیّد حسین نے فرہنگ نویسی میں اُن کی مدد کی، لیکن وہ دق کے مرض کا شکار ہو کر انتقال کر گئے۔

سیّد احمد صاحب نے ابتدائی معاونوں کے بارے میں لکھا ہے: "اسی طرح ایک ہندو اسسٹنٹ اور کئی مسلمان اسسٹنٹوں نے اپنی جان دی۔ جیسے لالہ دھومی مل جینی جنھوں نے ۱۸۸۹ء میں عالمِ شباب کا بھی لطف نہیں اٹھایا۔ ابتدائی معاونوں میں سے شاہ بہار الدین صاحب عرف عبداللہ شاہ دہلوی متخلص بہ بشیر سجادہ نشین حضرت سید مخدوم صدر جہاں قدس سرہ و نبیرۂ حضرت شاہ نصیر صاحب دہلوی نے بھی محنت سے آنکھ نہ چرا کر ۱۸۸۶ء میں انتقال فرمایا۔ ۔۔۔ جو لوگ اثنائے تالیف میں جاں بحق ہوئے، وہ گویا اس کی بھینٹ چڑھے۔ اردو کی تکمیل میں اپنی جانیں قربان کیں۔ بعض صاحب بہ طور ملازمت کارکن رہے۔ بعض بہ باعثِ دوستانہ و تکمیل و تدوینِ زبان اس پر تصدق ہوئے۔" (فرہنگ آصفیہ جلد۱)

فرہنگ نگاری میں سیّد صاحب ایسے مصروف تھے کہ انھیں دنیا و مافیہا کی خبر نہیں تھی۔ اُن کی زندگی کا مقصد صرف "فرہنگِ آصفیہ" کی تکمیل بن گیا تھا۔ غلام یزدانی صاحب نے لکھا ہے: "ایک دفعہ میں کسی لفظ کے معنی کی تلاش میں اُن کے گھر پہنچا۔ یہ اس زمانے میں ایک پتلی سی گلی میں رہتے تھے۔ جو شاہ گنج اور گلی شاہ تارا کے درمیان واقع ہے۔ گرمی کا موسم تھا۔ میں نے مکان پر جا کر کنڈی کھٹکھٹائی ـــ

مولوی صاحب باہر نکل آئے۔ ننگ دھڑنگ، صرف ایک میلا سا جانگیہ زیب تن تھا۔ میں نے اپنا مطلب عرض کیا۔ فرمایا، ذرا ٹھہریے، پھر گھر میں اندر گئے اور کُرتا پاجامہ پہن کر اور ایک کنجیوں کا گچھا لے کر باہر آگئے اور مجھے ساتھ لے کر گلی شاہ تارا کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ایک لیتھو پریس تھا اور مسودات بھی وہیں رہتے تھے۔ مولوی صاحب ایک ڈیسک نما میز پر بیٹھ گئے۔ بستے میں سے مسودہ نکالا، کچھ ورق گردانے، پھر کلاں نما آئینہ اور اپنی عینک دونوں کی مدد سے میرے پیش کردہ لفظ کے معانی اور محل استعمال بیان کرنے شروع کیے۔ میں کھڑا سنتا رہا اور جب تک میری تشفی نہ ہوگئی، سمجھاتے رہے۔ کچھ راہ گیر بھی جمع ہوگئے۔ کیونکہ مطبع لبِ سڑک واقع تھا، اس کا نقشہ اصطبل کا سا تھا۔ مولوی صاحب ایک کاٹ کی کرسی پر بے تکلف بیٹھے ہوئے تھے اور اطمینان اور فراغت کا یہ حال تھا کہ آکسفورڈ اور کیمبرج کے پروفیسروں کو اپنے مطالعے کے کمروں میں بھی اتنا ہی سکون حاصل ہوتا ہوگا۔

(ساقی، دہلی، سالنامہ ۱۹۴۵ بحوالہ رسومِ دہلی، رام پور، ص ص ۲۳-۲۴)

۱۸۹۵ء میں ترتیبِ لغت کا کام تو مکمل ہوگیا، لیکن ایسی ضخیم لغت کی طباعت کے لیے سرمایہ کہاں سے لاتے۔

۱۸۸۸ء میں سیّد احمد دہلوی ملازمت کے سلسلے میں شملے میں مقیم تھے۔ سیّد صاحب کی خوش نصیبی تھی کہ حیدرآباد سے سر آسمان جاہ بہادر وزیرِ دکن بھی شملے آئے ہوئے تھے۔ سیّد صاحب نے "فرہنگِ آصفیہ" یا اپنی کوئی اور کتاب اُن کی خدمت میں پیش کی۔ سر آسمان جاہ بہادر نے پانچ سو روپے نقد دیے اور چار سو جلدوں کی خریداری منظور فرمائی۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ سیّد صاحب نے ۱۸۷۸ء میں "فرہنگِ آصفیہ" کو بطور نمونہ "ارمغانِ دہلی" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے "فرہنگِ آصفیہ" کے کچھ حصے "مصطلحات" "سیّد اللغات" کے نام سے شائع کیے تھے۔

سیّد صاحب کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ "فرہنگِ آصفیہ" کی غالباً پہلی اور دوسری جلد چھوٹی تقطیع پر اور تیسری جلد بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی۔ سیّد صاحب نے شملہ میں سر آسمان جاہ بہادر کی خدمت میں "فرہنگِ آصفیہ" کا مسودہ پیش کیا، جسے وہ حیدرآباد اپنے ساتھ لے گئے۔ حیدرآباد میں مولوی سید علی بلگرامی سے اس کے بارے میں رائے لی گئی۔ انھوں نے فرہنگ بہت پسند کی اور منظوری کی سفارش کی۔ ۱۸۹۵ء میں جب کام مکمل ہوگیا تو نواب وقار الدولہ نے پانچ ہزار روپے کا انعام دیا۔ فرہنگ کی کچھ جلدیں چھوٹی تقطیع اور کچھ بڑی تقطیع پر شائع ہورہی تھیں۔ بہ قول سیّد احمد دہلوی "۱۹۰۶ء میں ہم سائز کر دینے کے واسطے عالی جناب راجۂ راجایان مہاراجا سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت کے۔سی۔آئی۔ مدار المہام سرکارِ عالی نے تین ہزار روپے سے مدد فرمائی۔ ہم تقطیع ہوکر اول، دوم جلد و بقیہ کلاں تختی کی سوم جلد لاہور سے دہلی پہنچی تھی۔" بہ قول حامد حسن قادری "دولتِ آصفیہ سے پانچ ہزار روپیہ انعام ملا اور پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا۔ کوشش کے باوجود یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ پانچ ہزار وہی ہیں، جو وقار الدولہ نے دیے تھے، یا نواب حیدرآباد نے الگ سے پانچ ہزار روپے دیے تھے۔ گورنمنٹ پنجاب نے پانچ سو روپیہ انعام دیا اور ایک ہزار روپے کی کتابیں خریدیں۔" بہ قول لالہ سری رام "نواب حیدرآباد نے "فرہنگِ آصفیہ" کی طباعت کے لیے مختلف اوقات میں بیس ہزار روپے دیے۔ "فرہنگِ آصفیہ" اور دوسری تصنیفات کی فروخت نے سیّد صاحب کو مالی پریشانیوں سے آزاد کر دیا تھا، لیکن ایک بہت بڑا حادثہ اُن کی قسمت میں تھا۔ ۸ رفروری ۱۹۱۲ء کو اُن کے گھر میں آگ لگ گئی۔ آگ لگنے کی پوری تفصیل خود اُن کی زبانی ملاحظہ ہو، جو انھوں نے "فرہنگِ آصفیہ" کی پہلی جلد میں بیان کی ہے

آتشِ آفت

یعنی بیانِ آتشزدگی

۱۹۱۲ء میں ہمارا مسکن ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں شمال رویہ دالان در دالان غرب رویہ ایک دیواز بیچ کمرہ اور شرق رویہ اس کمرہ کا جواب' باقی تمام ضروریات کے واسطے چھوٹی چھوٹی سی مکانیت کافی تھی صحن کچھ بڑا نہ تھا چار پانچ چارپائیاں بچھ سکتی تھیں جانبِ غرب درولزہ اور اس کے شمالی پہلو میں ایک چھوٹا سا کمرہ اور ننھا سا دربستہ دالان تھا۔

چونکہ مکان بہت بڑا نہ تھا اس سبب سے "فرہنگِ آصفیہ" کی پہلی۔ دوسری نیز تیسری طبع شدہ جلدیں جو اُنہی دنوں میں لاہور سے آئی تھیں۔ انھیں بوریوں میں بھر بھر کر نصف دالان میں چھت تک انبار لگا دیا تھا۔ اسی دالان میں اندر کے رُخ زچہ خانہ تھا جس میں زچہ اور اس کا چار مہینہ کا پھُلروا سا بچہ سوتا تھا برابر کے دالان میں ایک شریف زادی ہمسائی اور اُس کی ہفت سالہ معصوم لڑکی پڑی سوتی تھی۔ ۸ فروری کی شب بھی ہمارے حق میں غضب کی آتشبار شب تھی۔ کڑکڑاتا جاڑا پڑ رہا تھا۔ برف سے بجھی ہوئی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی غریب گدڑیوں میں' امیر لحافوں میں مُنہ ڈھانکے پڑے سو رہے تھے۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ایک کا عمل تھا زچہ خانے کے قریبی دالان میں گھی کے ہنڈے اور مٹی کے تیل کا بھرا ہوا کنستر رکھا ہوا تھا روئی کے پردے اندر اور باہر چھوٹے ہوئے تھے وہیں دُھر بیچ میں کوئلوں کی انگیٹھی دہک رہی

تھی۔ اُس کے اُوپر ایک اونچا لوہے کا لٹکن اور لٹکن کے اوپر نوزائدہ بچے کا گیلا نہالچہ سُوکھ رہا تھا کوئلوں کی چنگاری بِن پروں اڑ کر نہالچے پر جا بیٹھی۔ نہالچے کو اپنا بستر بنا چاروں طرف ہاتھ پاؤں پھیلائے جس سے شعلہ اٹھ کر کتابوں کی بوریوں' گھی کے برتنوں اور روئی دار پردوں میں پہنچا۔ سونے والوں کو اوّل دھیمی دھیمی گرمی اچھی معلوم ہوئی اور بھی کروٹیں بدل بدل کر خرّاٹے لینے لگے جب آدھے گھر کے قریب جل چکا تو اُس کے دھوئیں اور آگ کی لپٹوں نے جھنجھوڑ کر جگایا۔ برابر کے کمرے میں ہمارا دفتر تھا مگر ہم بھی حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کی زیارت سے فارغ ہو کر دن بھر کے تھکے ماندے گھوڑے بیچ کر سوئے تھے۔ اوّل ہمسائی کی آنکھ کھلی انھوں نے اپنا لحاف سنبھالا اور ہفت سالہ بیٹی کو جگا کر کہا کہ باہر نکل۔ وہ باہر کے بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھ کر الٹی اندر چلی گئی اور وہیں بھسم ہو کر رہ گئی اتنے میں گھر والی زچہ کو خبر ہوئی وہ پہلے تو تنہا صحن تک آئی پھر اپنے بچے کو لینے اندر چلی گئی اُسے گود میں اٹھا کر غسل خانے میں آکھڑی ہوئی اس وقت آگ لگ جانے کا شور مچ گیا۔ دو چار پاس پڑوس کے آدمی آگئے ہم نے اپنی گھر والی سے ہر چند کہا کہ دروازے میں آجاؤ۔ مگر یہی جواب ملا کہ غیر مردوں کی آواز آرہی ہے ہم کیوں کر آئیں اس ہٹ سے ہمیں اُس وقت بہت بڑا رنج ہوا اور کوئی تدبیر زچہ اور اُس کے بچے کے باہر آنے کی نہ سوجھی کیونکہ بیچ میں آگ کے شعلوں کا دریا لہریں مار رہا تھا چونکہ خدائے تعالیٰ کو یہ دونوں جانیں بچانی منظور تھیں ہمارے دل میں یہ بات ڈال دی کہ غسل خانے کی دیوار کا آثار بہت کم ہے اسے توڑ کر ان دونوں دموں کو نکال لاؤں مگر اس وقت پھاوڑا اور کدال کہاں۔ سنگِ خارا کے ڈبوروں اور کنتلوں سے اس دیوار کو پھوڑ کر ایک چھوٹا سا بھمباقا کر لیا اور اُسے اتنا بڑھا لیا کہ ان دونوں جانوں کو گھسیٹ کر نکال لائے۔ بیوی کے پاس سر کے دوپٹے کے سوا کچھ نہ تھا اور ہم بھی صرف شبینہ پوشاک پہنے ہوئے تھے جوں توں کر کے ایک شریف

ہمسائے کے مکان پر پہنچادیا رات بھر بچہّ اور اس کی ماں جاڑے میں اکڑتے اور سُوں سُوں کرتے رہے ۔ بچےّ کے ہونٹ نیلے پڑ گئے ۔ ماں کا جسم رات بھر کانپتا اور تھر تھر اتا رہا اس پر دل نے بھی پنکھا بن کر سردی پر سردی پہنچانی شروع کی :۔

آگ کا یہ حال تھا کہ چھت کی کڑیاں آتشیں اژدہے بن بن کر چاروں طرف پھُنکارے مار رہی تھیں اور پٹاؤ کے تختے گِرگٹ بن کر انہیں دھونک رہے تھے ۔ آتشِ خلیل کا سماں بندھ رہا تھا ۔ دالانوں کے سنگین ستون جو بت بنے کھڑے تھے اُن کا جگر بھی اس نظارے سے پھٹ گیا اور تڑاق تڑاق زمین پر گرنے لگے ۔ مکان کی دیواریں تنور کے پاکھے بن کر دہکنے لگیں چھتیں زمین پر آپڑیں جو کچھ مال و اسباب تھا اُسے جلا کر راکھ کر دیا اگرچہ آدھا مکان جل جانے کے بعد پولیس میں اطلاع پہنچی اور اس نے واٹر ورکس کے چوکیدار کو ٹیلی فون میں کئی بار اطلاع دی لیکن وہ مردوں سے شرط باندھ کر سویا تھا ۔ کیوں کر اٹھتا ناچار سرکاری سوار بھیجا گیا جس نے اس نیند کے ماتے کو جگایا اور پانی کو نل میں دوڑایا اس پانی نے اس سوختہ ڈھیر کو بجھایا اور تختے کڑیوں کے کوئلے بنا کر چھوڑ دیے ۔

اس آتش زدگی سے ہماری مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف تمام عمر کا سرمایہ قدیم و جدید ذخیرۂ کتب پہننے اوڑھنے کے کپڑے، برتن بھانڈے اور تمام اثاث البیت گرداباد ہو گیا اس نقصان کا اتنا صدمہ نہیں تھا جس قدر اس معصومہ کی جان کا افسوس اور رنج تھا۔ اس کی ماں اور اس کے بھائی بلک بلک کر رو رہے تھے ۔ خدا کی شان ہے کہ ہمیں اس وقت کچھ ایسا استقلال اور اطمینان اُس کی عنایت سے بہم پہنچا کہ ذرا بھی اس صدمہ کو طبیعت پر غالب نہ آنے دیا جس طرح اہل میّت کو خدا کی طرف سے قدرتی استقلال اور صبر عطا ہو جاتا ہے، یہی ہماری کیفیت ہوئی :۔

صبح ہوتے ہی کپڑے بنانے کی سوجھی اپنے خسر صاحب کا چوغہ پہن کر بازار

گئے اور اپنے لگے بندھے بزاز سے کپڑا خرید کر لائے ۔ لحاف توشک زنانہ اور مردانہ ضروری پوشاک مارا مار کر کے تیار کرائی ۔ چار پائیاں مستعار لیں اور اپنے خسر کے مکان میں آکر ڈیرے ڈال دیے ۔"

سیّد احمد دہلوی شعر بھی کہتے تھے سیّد اُن کا تخلص تھا ۔ فرہنگ نگاری میں اتنے مصروف ہوئے کہ انہیں شعر و شاعری کا ہوش ہی نہیں رہا ۔ شاہ نصیر کے خلیفہ قطب الدین مشیؔر کا تلمذ اختیار کیا اور غزلوں پر اُن سے اصلاح لی ۔ قصائد اور قطعات زکیؔ دہلوی کو دکھائے ۔ اُن کے جو اشعار میری نظر سے گزرے ہیں، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعر اچھّا نہیں کہتے تھے ۔

ہمارے پرائمری اسکول کے نصاب میں سیّد صاحب کی ایک نظم شامل تھی ۔

پسّو ہمیں ستاتے ہیں صاحب پہاڑ پر

"خم خانۂ جاوید" کی جلد چہارم میں لالہ سری رام نے سیّد صاحب کے جو اشعار درج کیے ہیں، وہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں ۔

رگ رگ میں دوڑ جاتا ہے جلوہ خدائی کا
اس بت کے سامنے ہے مزا جبہ سائی کا
یارب دعا ہے اپنی کہ صدقہ خدائی کا
دشمن کو بھی نصیب نہ ہو دن جدائی کا

کیا کیا مجھ پہ وار کیا کہنا
واہ رے میرے یار کیا کہنا
سر بھی کٹ کر گرا تو قدموں پر
دل چلے ہوشیار کیا کہنا

قاصد بنا رقیب وہاں جا کے کیا ہوا
اپنا جو حال تھا، وہی اُس کا سنا ہوا

خود ہی تصویر ہو، کھچواتے ہو اُس پر تصویر
دیکھیے، کس کو مٹاتی ہے بن آئی تصویر

خود تیرِ نگہ سے لڑتے ہیں اور نام ہمارا کرتے ہیں
ان نیچی نیچی نظروں سے وہ کام ہمارا کرتے ہیں

کیا ناز و ادا کا ماتم ہے بے خوف اچھلتے پھرتے ہیں
لو ننگے ننگے پیروں سے وہ لاش کھندلتے پھرتے ہیں

پڑی ہے کیا ضد، کواڑ کھولو، گیا وہ سیّد ہے جان سے، لو
ذرا تو چل کر شریک ہو لو، سنا ہے لاشہ اٹھا چکے ہیں

قاصد خوش خوش اگر آیا تو عید ہے
ورنہ ہماری عید محرّم سے کم نہیں

حور و پری ہو یا کہ مہ و آفتاب ہو
جو کچھ کہ ہو، سو ہو غرض اپنے حساب ہو

وقتِ وضو جو دھوتا ہے ہاتھوں کو بار بار
زاہد خدا کے پیچھے پڑا ہاتھ دھو کے تو

غنیمت جان لو صحبت کو اِس کی
خدا جانے یہ سیّد پھر کہاں ہو
رہو گے دل میں، آنکھوں سے نہاں ہو
بھلا بچ کے رہو، جاتے کہاں ہو

کیوں خاک میں ملاتے ہو، آلودہ تن کے ساتھ
کچھ تو لحاظ چاہیے، اجلے کفن کے ساتھ
کھلتی نہیں کلی مرے دل کی بندھی ہوئی
دل بستگی جو ہے کسی غنچہ دہن کے ساتھ

بچے گا کیوں کر یہ دل الم سے گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
بنے گی کس ڈھب بھلا صنم سے، گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے

نہ کی ہو بات تک عاشق سے، جس نے عمر بھر سیدھی
عبث ہے اُس سے یہ کہنا کہ رکھ مجھ سے نظر سیدھی

جب دور تم ہوئے مری چشم پُر آب سے
لاکھوں برس گزر گئے اپنے حساب سے

نہ چونکا خوابِ عدم سے تو کہتے ہیں ہمدم
یہ کس کے پاؤں کی آئی صدا، سنو تو سہی
چلو بس حضرت عیسیٰ تم اپنا کام کرو
مریضِ عشق کو ہو گی شفا سنو تو سہی

جی بھی اٹھو کہ یار آتا ہے
دم یہ خاصہ دیا مسیحا نے

مجنوں، قائل ہیں جذبۂ دل کے
پردے الٹے صبا نے محمل کے
رنگ لائی ہماری مظلومی
ہاتھ باندھے حنا نے قاتل کے

سیّد احمد دہلوی صاحب نے اپنی ساری زندگی تصنیف و تالیف اور خاص طور سے "فرہنگِ آصفیہ" کی تالیف کے نذر کر دی۔ وہ خوش نصیب تھے کہ برطانوی حکومت، پنجاب حکومت اور نواب حیدر آباد اور بعض صاحبِ اقتدار حضرات نے اُن کے کام کی نہ صرف دل سے قدر کی بلکہ مختلف انعامات اور اعزازات سے بھی نوازا۔

نواب حیدر آباد نے مختلف اوقات میں "فرہنگِ آصفیہ" کی طباعت کے لیے تقریباً بیس ہزار روپے دیے اِن کے علاوہ اُن کا پچاس روپے ماہوار وظیفہ بھی مقرر کیا جسے بعد میں سو روپے ماہوار کر دیا گیا۔ ۲۲ جون ۱۹۱۴ء کو برطانوی حکومت نے ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں خاں صاحب

کے خطاب سے نوازا۔

یوسف بخاری صاحب نے سید صاحب کی تصنیفات اور تالیفات کی جو فہرست مرتب کی تھی، وہ یہاں نقل کی جاتی ہے۔

۱۔ فرہنگِ آصفیہ۔ جلد اوّل۔ مطبوعہ گلزار محمدی اسٹیم پریس، لاہور۔ ۱۹۱۸ء
〃 〃 جلد دوم۔ مطبوعہ رفاہ عام پریس، لاہور۔ ۱۹۰۸ء
〃 〃 جلد سوم۔ مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور۔ ۱۸۹۸ء
〃 〃 جلد چہارم۔ مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور۔ ۱۹۰۱ء
۲۔ ارمغانِ دہلی۔ فرہنگ آصفیہ کا پہلا نام، مشتمل بر لغات الف ممدودہ
۳۔ ہندوستانی اردو لغت، فرہنگ آصفیہ کا پہلا نام، ۳۹، رسائل کی صورت میں، مشتمل بر جلد اوّل و دوم۔
۴۔ لغات النساء۔ مطبوعہ کاشی رام پریس سابق نول کشور پریس لاہور ۱۹۱۷ء
۵۔ لغات المدارس۔ مدارس کے طلبہ کے لیے ضروری لغات۔
۶۔ تزئینِ کلام۔ آٹھ ہزار ضرب الامثال مع قصص متعلقہ
۷۔ کنز القواعد۔ محاورات و مصطلحات۔
۸۔ مرقعِ تکمیل الکلام۔ اصطلاحات پیشہ وران۔
۹۔ مرقعِ زبانِ دہلی۔ روزمرہ و محاورات۔
۱۰۔ روزمرۂ دہلی۔ اہلِ دہلی کی گفتگو کا نمونہ
۱۱۔ ناری کتھا۔ ہندوؤں کی زنانہ روزمرہ بطور مکالمہ
۱۲۔ تحقیق الکلام۔ علم زبان کا بیان اور حروف کا تغیّر و تبدل وغیرہ
۱۳۔ علم اللسان۔
۱۴۔ محاکمۂ مرکز اردو۔ اردو زبان پر ایک تحقیقی مقالہ۔

۱۵- قواعدِ اردو- اردو صرف ونحو

۱۶- تفہیم المصادر- علم مصادر اردو

۱۷- انشائے ہادی النساء، زنانہ خط وکتابت خانہ داری، دلی کی بیگماتی زبان میں مع رسوم وغیرہ-

۱۸- تحریر النساء- زنانہ خط وکتابت مابین مرد وعورت- انشائے ہادی النساء کا حصہ دوم-

۱۹- فسانۂ راحت اپنی مرحومہ صاحبزادی محمودی بیگم کی یادگار ہیں، عورتوں کے لیے ایک اصلاحی معاشرتی کہانی، دلی کی بیگماتی زبان میں-

۲۰- قصۂ مہر افروز- دلی کے ایک سگھڑ اور دوسرے پھوہڑ گھرانے کی معاشرت-

۲۱- چندر بہنیلی - شہر افروز بیگم کا قصہ-

۲۲- لڑکیوں کی پہلی کتاب- ایک سچی کہانی-

۲۳- ایمنہ مصری کا قصہ- کہانی-

۲۴- ایک یار مار کشمیری پنڈت- فرہنگ آصفیہ کی طباعت واشاعت کے سلسلے میں ایک پنڈت کی داستانِ بے وفائی-

۲۵- رسومِ دہلی- مسلمانوں کی پیدائش سے موت تک کی تمام رسوم-

۲۶- ریت بکھان- ہندوؤں کی پیدائش سے موت تک کی تمام رسوم-

۲۷- رسومِ ہنود- وشنی قوم کی پیدائش سے موت تک کی تمام رسوم-

۲۸- رس کھان- پہیلیاں، کہہ مکرنیاں، نسبتیں یا دو سخنے، کبت، دوہے، بھجن، گیت وغیرہ-

۲۹- سیرِ شملہ- کوہ شملہ کے دلچسپ حالات- تاریخی شواہد کی روشنی میں-

۳۰- وقائع درانیہ- تاریخ-

۳۱- سفرنامۂ مہاراجہ راؤ الور- واقعاتِ سفر-

۳۲- مناظرۂ تقدیر وتدبیر- فلسفۂ تقدیر وتدبیر پر ایک سیر حاصل بحث-

۳۳- تسخیرِ شوہر- ازدواجی زندگی کو خوش اور کامیاب بنانے کے اصول-

۳۴- اخلاق النساء- شہزادیوں اور امیر زادیوں کی قابلِ تقلید اخلاقی باتیں-

۳۵- طبعی تعلیم- بچوں کو کھیلوں کے ذریعے صحت کی طرف راغب کرنے کے لیے حکیمانہ مشورے-

۳۶- بچوں کا رکھ رکھاؤ- اولاد کی صحت کے لئے طبی چٹکلے-

مآخذ

۱- فرہنگِ آصفیہ، جلد اول، سید احمد دہلوی، دہلی، ۱۹۷۴ء، ص ص ۱۵-۱

۲- خم خانۂ جاوید، جلد چہارم، دہلی، ۱۹۲۶ء ص ص ۳۱۰-۳۰۷

۳- داستانِ تاریخ اردو، حامد حسن قادری، آگرہ، ۱۹۶۶، ص ص ۷۷۰-۷۵۶

۴- رسومِ دہلی، سید احمد دہلوی، رام پور، رسومِ دہلی کا جو اڈیشن ترقی اردو بورڈ، کراچی نے شائع کیا تھا اور جس میں سید احمد دہلوی کے وہ سوانح بھی شامل ہیں، جو یوسف بخاری صاحب نے لکھے تھے، یہ اسی کا ہندوستانی اڈیشن ہے-

۵- واقعاتِ دار الحکومت، جلد دوم، بشیر الدین احمد دہلوی، آگرہ، ۱۹۱۹ء ص ص ۴۲۲-۴۲۱-

۶- پچاس برس پہلے کی دلی، غلام یزدانی، ماہنامہ ساقی، دہلی، ۱۹۴۵ء (بحوالہ رسومِ دہلی، رام پور اڈیشن)

کچھ رسم ورواج کے بارے میں

ہندوستان کی موجودہ تہذیب اور رسم ورواج کی داستان ہزاروں سال پر پھیلی ہوئی ہے ۔ دنیا کی مختلف نسلوں، مذہبوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ مختلف زمانوں میں ہندوستان آتے رہے ہیں۔ اُن میں سے بیشتر لوگوں نے تو اس طرح مستقل سکونت اختیار کر لی کہ اُن کی نسلی اور تہذیبی انفرادیت ہی ختم ہو گئی اور بعض لوگ طویل عرصے تک یہاں رہ کر اپنے وطن واپس چلے گئے۔ ہندوستانی تہذیب کی تشکیل اور اُسے پروان چڑھانے میں اِن سب ہی لوگوں نے اہم رول ادا کیا ہے۔

جغرافیائی خصوصیات کی بنا پر غیر منقسم ہندوستان دنیا کا منفرد ملک رہا ہے۔ رقبے کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا ملک۔ شمال میں ہمالیہ کے اونچے اونچے پہاڑ۔ مشرق میں خلیج بنگال، جنوب میں بحرۂ ہند اور مغرب میں بحرۂ عرب۔ گویا باقی دنیا سے الگ تھلگ ہندوستان ایک ایسا زراعتی ملک ہے جہاں گرم، سرد، مرطوب اور خشک غرض ہر طرح کی آب وہوا موجود ہے۔ قطب شمالی کی آب وہوا کو چھوڑ کر دنیا کی کوئی آب وہوا ایسی نہیں ہے جو ہندوستان کے کسی نہ کسی علاقے میں موجود نہ ہو۔ زمین زرخیز۔ ہمالیہ کے پہاڑی علاقے، صحرائے ہند کی ریتلی زمین، زرخیز میدان، طویل وعریض میدانِ مرتفع، ساحلی علاقے، جزیرے۔ ہر طرح کی پیداوار اور خام مواد موجود ـــــ اسی لیے ہزاروں برس سے مختلف نسلوں کے قافلے زرخیز زمین کی تلاش میں اس سرزمین پر اُترتے رہے اور بیرونی حملہ آور ہوسِ زر میں اس زمین کو روندتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے قدیم ترین باشندے نگرائڈ تھے۔ یہ افریقہ کے کچھ قبائل تھے جو ترکِ وطن کر کے زرخیز زمینوں کی تلاش میں ہندوستان آئے تھے۔ ان افریقی قبائل کے کچھ نشانات اب بھی انڈمان کے جزیرے میں موجود ہیں۔ اُن کے بعد فلسطین سے وہ قبائل آئے جنھیں پروٹو آسٹرالائڈ کہا جاتا ہے۔ اِن قبائل نے ہندوستان

کے علاوہ سیلون، برما اور ملایا کا بھی رُخ کیا اور اُن علاقوں میں آباد ہوئے۔ ان کے بعد عراق کے راستے بحرۂ روم کے وہ قبیلے ہندوستان آئے جنھیں آسٹرک کہا جاتا ہے۔ اب تک ہندوستان میں جتنے قبیلے آئے۔ اُن کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔ ہمارے لیے یہ بتانا بھی بہت مشکل ہے کہ یہ ہندوستان کب آئے۔ اور ہندوستان کے کن کن علاقوں میں آباد ہوئے۔ اِن محدود ترین معلومات کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے کسی بھی حصے میں اِن قبیلوں کے تہذیبی اور تمدنی آثار موجود نہیں ہیں۔ یا تو یہ قبیلے تہذیب کے بہت ہی ابتدائی مراحل میں تھے یا اِن کے تہذیبی آثار دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گئے ہیں۔ انھوں نے ہندوستان کی زیرِ تشکیل تہذیب کو ضرور متاثر کیا ہوگا۔

اِن قبیلوں کے بعد جو لوگ ہندوستان میں زرخیز زمینوں کی تلاش میں یا حملہ آور کی حیثیت سے آئے۔ ان میں دراوڑی۔ آریا۔ مسلمان اور انگریز اس نقطۂ نظر سے اہم ہیں کہ اُن میں سے دراوڑیوں نے ہندوستان میں ایک زبردست تہذیب اور تمدن کی بنیاد رکھی اور باقی نسلیں اپنے ساتھ ترقی یافتہ تہذیب لے کر ہندوستان آئیں اور ہندوستانی تہذیب کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ آریا اور مسلمان یہاں کی تہذیب اور تمدن میں ضم ضرور ہوئے لیکن اِن دونوں ہی نے ہندوستانی تہذیب کو اتنا متاثر کیا کہ اسے صحیح معنوں میں مشترکہ تہذیب کہا جا سکتا ہے۔

دراوڑی نسل کے قبیلے بحرۂ روم اور ایشیائے کوچک کے باشندے تھے۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح انھوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا۔ یہ لوگ پنجاب اور سندھ کے علاقوں ہڑپا اور موہنجو دارو میں آباد ہوئے۔ دراوڑیوں کے بارے میں ماہرین کے قول کے مطابق جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ یہ لوگ بحرۂ روم کے قرب وجوار کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے آبائی وطن سے نکل کر یہ لوگ کافی عرصے تک عراق میں رہے اور پھر بلوچستان ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔ سندھ اور گنگا کی وادیاں بہت زرخیز تھیں۔ اس لیے یہ ان

وادیوں میں آباد ہو گئے۔ دراوڑی مختلف گروہوں میں اور مختلف زمانوں میں ہندوستان آئے۔ ان کے وہ چار گروہ جو کنڑی، تامل اور ملیالم زبانیں بولتے تھے، تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے بہت زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ اور گروہوں کا تو پتا نہیں چلتا لیکن یہ چار گروہ آج بھی جنوبی ہندوستان میں باقی ہیں اور اُن کی زبانوں کا شمار ہندوستان کی قدیم ترین زبانوں میں ہوتا ہے اور ہندوستان کی جدید زبانوں میں بھی ترقی یافتہ شمار ہوتی ہیں۔

ہندوستان کی تہذیب اور تمدّن کی بنیاد دراوڑیوں ہی نے رکھی۔ اپنے عہد میں دراوڑی تہذیب دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ تہذیبوں میں شمار ہوتی تھی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہڑپا اور موہنجو دارو ہیں۔ جس تہذیب نے ہندوستان میں ہڑپا اور موہنجو دارو کو تخلیق کیا وہ ہندوستان سے عراق، عرب ساحل ایجین اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ بقول ڈاکٹر سید عابد حسین اس تہذیب نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ دریائے سندھ کی وادی میں کئی شہری ریاستیں بنا لی تھیں[1]۔ وادیِ سندھ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں جو صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کے پاکستانی صوبوں پر مشتمل ہے، اسی تہذیب کے نمونے موجود ہیں۔

پچھلے دنوں جو کھدائیاں ہوئی ہیں، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تہذیب مشرقی پنجاب، مغربی یوپی اور راجپوتانے تک پھیلی ہوئی تھی۔

صدیوں بعد اس تہذیب کا زوال ہوا۔ جنگلی قبیلوں نے شمال اور شمال مغربی ہندوستان سے دراوڑیوں کو نکال دیا اور وادیِ سندھ پر قابض ہو گئے۔

کچھ عرصے بعد آریا ہندوستان آئے۔ یہ کون لوگ تھے، کہاں سے ہندوستان آئے اور کب ہندوستان آئے؟ یہ تمام سوال ابھی تک تحقیق طلب ہیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ آریاؤں کا اصلی وطن وسطِ ایشیا کا ایک خشک پہاڑی

۱؎ قومی تہذیب کا مسئلہ ڈاکٹر سید عابد حسین، علی گڑھ ۱۹۵۵ء صفحہ ۴۶

علاقہ تھا۔ جہاں جنگلات نہیں تھے۔ ہاں درختوں کے جھنڈ ضرور تھے۔ اسی لیے انھیں اس علاقہ کو چھوڑ کر زرخیز زمین کی تلاش میں نکلنا پڑا۔ ہند یورپی زبان کے قدیم ترین نمونوں کے تاریخی مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترکِ وطن کرکے آریا پہلے کسی نشیبی دلدلی علاقے میں پہنچے۔ بقول سنیتی کمار چٹرجی:

"ابتدائی ہند یورپی کے قدیم طبقات کے مطالعے سے جو ملکی قدرتی خصائص برآمد ہوتے ہیں اُن کا مصداق شمالی کرغیز کے میدان، کوہ یورال کے جنوبی اور مشرقی خطّے ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کارپیتھن (CARPATHIANS) سے بالٹک تک یورپ کے سطح میدان ایسے علاقے ہیں جو زبان کی مابعد معنوی اور لفظی سطحوں سے مُستنبط نئے ہند یورپی وطن کا مصداق پیش کرتے ہیں۔ شروع زمانہ کی ہند یورپی میں بدیسی دخیل عناصر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا تعلق ان سے مختلف تہذیب رکھنے والے علاقوں یعنی مغربی ایشیا مصر اور ایجیائی یونان (AEGEAN GREECE) سے نہیں تھا بلکہ میسوپوٹامیا کے سمیر اکادی لوگوں سے تھا۔ براندنبستائن کے مطابق اس متفق علیہ مفروضہ کی ذرا سی ترمیم کے ساتھ توثیق ہو جاتی ہے کہ وسطی ایشیا ہند یورپیوں کا اصل زاد بوم ہے[2]۔"

آریا ایک خانہ بدوش جنگ جُو قوم کی حیثیت سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد انھوں نے زراعتی خضری زندگی اختیار کر لی۔

ہندوستان میں آریاؤں کا پہلا سابقہ ان جنگلی قبیلوں سے پڑا جو دراوڑیوں کو

۱؎ دیکھیے ہند آریائی اور ہندی، سنیتی کمار چٹرجی، دہلی ۱۹۷۷ء صفحہ ۹-۲۰

۲؎ ہند آریائی اور ہندی صفحہ ۱۸

نکال کر شمال اور شمال مغربی ہندوستان پر قابض تھے۔ آریا لوگ ان قبیلوں کے مقابلے میں زیادہ مہذب اور زیادہ جنگ جُو تھے۔ اس لیے معمولی کوشش سے انھوں نے جنگی قبیلوں کو ان کے علاقوں سے نکال دیا۔ دوسری نسل جس سے آریاؤں کا سابقہ پڑا، دراوڑی تھی۔ آریاؤں کو دراوڑیوں پر جسمانی برتری تھی اور آریا جنگ کے بہتر طریقوں سے واقف تھے۔ اس لیے انھوں نے دراوڑیوں کو بھی اُن کے علاقوں سے نکال کر جنوبی ہند میں دھکیل دیا۔ جہاں آج تک وہ آباد ہیں۔ ابتدا میں کافی عرصے تک دراوڑیوں اور آریاؤں میں مغائرت رہی ہوگی۔ یہ دونوں نسلیں ایک دوسرے سے نفرت کرتی ہوں گی۔ اگرچہ آہستہ آہستہ یہ مغائرت اور نفرت دور ہوئی لیکن آریاؤں نے دراوڑیوں کو ہمیشہ خود سے کم تر سمجھا۔ جس کی وجہ سے ذات پات کے نظام نے جنم لیا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج ہندوستان کی جو مشترکہ تہذیب ہے اس کی بنیادیں دراوڑیوں ہی نے فراہم کی تھیں۔ آریا لوگ پہلے سندھ میں داخل ہوئے۔ وہاں سے پنجاب میں پھیلے اور پھر مشرقی ہندوستان میں آباد ہونا شروع ہوئے۔

آریائی اور دراوڑی تہذیب نے جس مشترکہ تہذیب کو جنم دیا اس کا اظہار آریاؤں کے چار ویدوں میں ہوتا ہے۔ اِن چار ویدوں میں سب سے اہم "رگ وید" ہے۔ اِن ویدوں کے ذریعے ہندو مذہب ہندوستان کے بہت بڑے حصے میں پہنچ گیا۔ یہ مذہب اتنا منظم اور منطقی تھا کہ خود دراوڑی قوموں نے بھی اسے قبول کرنے میں تامل نہیں کیا۔

ہندوستان کو آریاؤں کی سب سے بڑی دین زبان تھی۔ دراوڑی جنوبی ہند میں سمٹ کر رہ گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ملک کے دوسرے حصوں میں اُن کی زبانوں (تامل تیلگو، ملیالم اور کنڑ) کو فروغ کا موقع نہیں مل سکا۔ اس کے برعکس آریا تمام ملک میں پھیلے جس کی وجہ سے اُن کی زبان بھی پورے مُلک میں پھیلی۔

چونکہ آریا مختلف گروہوں اور مختلف اوقات میں ہندوستان آئے تھے اس لیے اُن کی کوئی ایک زبان بھی نہیں تھی۔ اُن میں مختلف بولیاں رائج تھیں۔ ان بولیوں نے ایک ادبی زبان کو جنم دیا۔ تقریباً چھ سو سال قبل مسیح تک یہ ادبی زبان بقول سُنیتی کمار چٹرجی افغانی سرحد سے لے کر بنگال تک اپنے قدم جما چکی تھی۔ اس ادبی زبان میں چاروں وید لکھے۔ ان ویدوں کے لکھے جانے کے بعد ویدی ادبی یا شاعری کی زبان کا روپ متعین ہو گیا۔ اسی زبان نے مزید ترقی پا کر سنسکرت کا نام پایا۔ یہ ایک زندہ زبان تھی اور تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ ہر جگہ استعمال ہوتی تھی۔ یہ صرف عالموں اور مذہبی رہنماؤں ہی کی زبان نہیں تھی بلکہ بقول سنیتی کمار چٹرجی اس زبان کو وہ پیشہ ور لوگ بھی استعمال کرتے تھے جو بالکل گنوار نہیں تھے۔ آریائی خاندان کی دوسری بولیاں اس زبان سے مختلف تھیں اور ان بولیوں کا نشوونما بھی بغیر کسی روک ٹوک کے جاری تھا۔

ان بولیوں نے تین روپ اختیار کیے۔

۱۔ ادیچیہ (شمالی مغربی زبان)
۲۔ پراچیہ (شرقی زبان)
۳۔ مدھیہ دیشی وسطی علاقے (مشرق و مغرب کے درمیان کی) زبان۔

مدھیہ دیشی زبان مختلف مدارج سے گزری۔

اس نے پہلے اولین پراکرت یعنی پالی کی شکل اختیار کی۔ پھر یہ پراکرت ہوئی اور پھر اپ بھرنش۔ اسی اپ بھرنش نے بہت سی بولیوں کا روپ اختیار کیا۔ ان بولیوں کو گریرسن نے مشرقی ہندی اور مغربی ہندی میں تقسیم کیا ہے۔ مغربی ہندی کی بولیوں میں برج، کھڑی بولی، قنوجی، بندیلی اور ہریانوی ہیں۔ جدید اُردو کی بنیاد کھڑی بولی پر ہے۔

آریاؤں کے بعد ایک اور نسل ہندوستان آئی اور وہ تھی یونانی۔ یونانی لوگ سکندر کے ساتھ حملہ آور کی حیثیت سے ہندوستان آئے۔ ان میں سے بڑی تعداد نے یہیں

مستقل سکونت اختیار کرلی۔ شمال مغربی ہند میں یونانی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران ہوگئے۔ لیکن یہ لوگ اتنے کم عرصے ہندوستان میں رہے کہ اُن کی تہذیب کا ہندوستانی تہذیب پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑا اور جو لوگ یہاں رہ گئے، ہندوستان کی طاقت ور اور ترقی یافتہ تہذیب نے اُن پر ایسا جادو کیا کہ بودھ مذہب اختیار کر کے انھوں نے ہندوستانی تہذیب کو اپنا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ سنسکرت کے کلاسیکی ادب اور خاص طور سے ڈرامے پر یونان کا گہرا اثر ہے۔ ممکن ہے یہ خیال درست ہو لیکن یہ نظریہ ابھی مزید تحقیق طلب ہے۔

یونانیوں کے کافی عرصے بعد عرب ہندوستان آئے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے ہی عربوں کے ہندوستان سے تجارتی تعلقات تھے۔ عرب سندھ کے علاقے میں آتے تھے۔ یہیں اپنا سامان فروخت کرتے اور ہندوستانی اشیا خرید کر مختلف ممالک میں لے جاتے۔

حملہ آور کی حیثیت سے محمد بن قاسم پہلی بار ۷۱۱ء میں ہندوستان آیا۔ اس نے ملتان تک سندھ کا پورا علاقہ فتح کر لیا۔ وہ خود تو ہندوستان میں صرف تین سال تک رہا لیکن اس کا مقبوضہ علاقہ تقریباً دو صدی تک خلافتِ عرب کے تحت رہا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ان دو صدیوں میں، ہندوستانیوں اور عربوں نے ایک دوسرے کی تہذیب تمدن طرزِ فکر اور روایات کو متاثر نہیں کیا ہو۔ لیکن عربوں کا یہ اثر ہندوستان کے ایک مخصوص علاقے تک محدود رہا۔ باقی ہندوستان پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔

دسویں صدی عیسوی کے اختتام پر غزنوی خاندان کے بادشاہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ امیر سبکتگین اس خاندان کا پہلا بادشاہ تھا جس نے ہندوستان پر حملہ کیا اور پشاور پر قابض ہوگیا۔ سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے۔ اگرچہ وہ صرف ہوسِ زر میں ہندوستان پر حملے کرتا تھا، اور اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ

وہ ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرے۔ پھر بھی پنجاب کا تمام مغربی حصہ حکومتِ غزنی میں شامل ہوگیا اور ادھر قنوج و گجرات تک مسلمانوں کے اثرات پھیل گئے۔ محمود غزنوی کے بعد اس کے وارثین نے بھی ہندوستان پر حملے کیے اور یہاں کے بعض علاقوں پر قابض رہے۔ لیکن ہندوستان میں غزنویوں کی حکومت برائے نام تھی۔ اُن کے مقبوضہ علاقے کی حیثیت صرف ایک صوبے کی تھی۔ جس کا باقی ہندوستان پر کوئی واضح اثر نہیں تھا۔

ہندوستان کا پہلا مسلمان فرمانروا شہاب الدین محمد غوری تھا جس نے تیرہویں صدی عیسوی میں غزنوی خاندان کے مقبوضات پر اپنا قبضہ کیا۔ پشاور پر اپنا جھنڈا لہرایا اور سندھ سے دہلی تک تمام علاقہ فتح کر لیا۔ دوآبہ کے بہت بڑے حصے پر قابض ہوگیا۔ غوری کے بعد خاندانِ غلام کا دور شروع ہوا اور قطب الدین ایبک اس کا بیٹا آرام شاہ اور پھر ایبک کا غلام شمس الدین التمش پھر التمش کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ پھر التمش کی بیٹی رضیہ سلطان اور پھر اس خاندان کے دوسرے افراد حکمراں رہے۔

غلام خاندان کے بعد خاندان خلجی کے فرمانروایان کا عہد شروع ہوتا ہے خلجیوں کے بعد حکومت خاندانِ تغلق کے ہاتھ آئی۔ اور پھر لودی اور سید خاندانوں سے ہوتی ہوئی حکومت مغلوں کے ہاتھوں میں آئی۔ ہندوستان سے مسلمانوں کے مراسم بہت قدیم ہیں۔ گیارہویں صدی عیسوی میں غزنویوں نے پنجاب اور ملتان پر قبضہ کر لیا تھا لیکن ان فتوحات کا ہندوستانی معاشرے اور یہاں کی تہذیب پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ البتہ جب تیرہویں صدی عیسوی میں شہاب الدین غوری ہندوستان کا پہلا مسلمان فرمانروا بنا تو یہ اثرات واضح ہونا شروع ہوئے۔

اس موضوع پر کچھ اور کہنے سے پہلے اسلامی تہذیب کے بارے میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

اسلام جب مکے اور مدینے سے باہر نکلا تو اس کا واسطہ بہت سی ایسی تہذیبوں

سے پڑا جو عرب تہذیب کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ پیچیدہ تھیں۔ ان تہذیبوں نے اسلام کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی نظام کو متاثر کیا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

کہ انسان کی زندگی میں بعض چیزیں ایسی ہیں، جنھیں وہ مخصوص حالات میں چند لمحوں میں بدل سکتا ہے، لیکن بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جنھیں پوری کوشش کے باوجود مکمل طور پر بدلنے پر وہ قادر نہیں ہے۔ مثلاً مذہب اور وطن دونوں بدلے جاسکتے ہیں۔ اور انسانی تاریخ میں کروڑوں اور عربوں انسانوں نے ایسا کیا ہے، لیکن اس کی مثال بالکل نہیں ملے گی کہ کوئی فرد یا گروہ اپنی تہذیبی روایتوں سے یکسر دستبردار ہوگیا ہو۔ ہاں ایسا ضرور ہوتا ہے کہ نئے حالات کے مطابق تہذیبی روائتیں تھوڑا سا رنگ و روپ بدل لیتی ہیں۔

جب انسان مذہب یا وطن بدلتا ہے تو نئے مذہب اور وطن کی روایتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ ایک مختلف اور بعض اوقات بالکل نئے سماجی اور تہذیبی نظام سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ اس تہذیبی اختلاط میں کئی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ انسان اپنی بعض ایسی تہذیبی روایتوں کو برقرار رکھتا ہے، جن کا نئے نظام سے براہ راست ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ بعض روایتوں میں تھوڑی سی تبدیلی کرکے انہیں اس انسانی گروہ کے لیے قابلِ قبول بنا دیتا ہے، جس میں وہ داخل ہوتا ہے۔ اور بہت سی نئی روایتوں کو خود قبول کرلیتا ہے۔ نئے اور پرانے سماجی، تہذیبی اور مذہبی گروہوں کے ایک ساتھ رہنے سے ایسی تہذیبی روائتیں جنم لیتی ہیں، جن میں غیر محسوس طریقے سے دونوں گروہوں کی تہذیبی اقدار در آتی ہیں اور جو مشترکہ کلچر کی بنیاد بنتی ہیں۔

اسلام ریگستانوں میں رہنے والے سیدھے سادے، ایماندار، سچے، کھرے اور خدا کے نام پر جان و مال قربان کردینے والوں کا مذہب تھا۔

اس مذہب کی بنیاد قرآن اور حدیث پر رکھی گئی تھی۔ اسلام کے ابتدائی دور

میں سب علما اس پر متفق تھے کہ قرآن اور حدیث جس کام کی اجازت نہ دے، وہ غیر شرعی اور ناجائز ہے۔ بعد میں اس مسئلے پر خود علما میں اختلاف رائے ہوگیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اسلام جب مکے اور مدینے سے نکل کر باہر آیا تو اس کا سابقہ مختلف سیاسی، سماجی اور تہذیبی روایات سے پڑا۔ اسلام نے جس جمہوری نظام کی تبلیغ کی تھی، وہ بادشاہت میں بدل چکا تھا۔ خلفاے بنو امیہ مسلمان ضرور تھے، لیکن ان میں مسلمانوں والی کوئی بات نہیں تھی۔ بہ قول ڈاکٹر تارا چند "خلفاے بنو امیہ نسل پرست عرب تھے اور غیر عربی مسلمانوں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے خلیفہ کے دو اہم فرائض کو جو اس کے منصب کا لازمی جزو ہیں، عملی طور پر ترک کردیا۔ عدلیہ کا انتظام انھوں نے قاضیوں اور مفتیوں کے سر ڈال دیا اور نمازوں میں امامت کی ذمہ داری قبول کرنے پر کم ہی آمادہ ہوئے۔ اُن کی خاص دلچسپی جنگ اور فتح میں تھی۔ یہ دین سے اُن کی بے نیازی ہی تھی، جس کے نتیجے میں ایسے حالات رونما ہوئے، جنھیں روحِ اسلامی کے مطابق نہیں قرار دیا جاسکتا۔ . . . . بنو عباس جنھوں نے بنو امیہ کو دائرۂ اقتدار سے نکال باہر کیا، ہوسکتا ہے کہ انھوں نے مذہب کی طرف ظاہری ہمدردی کا مظاہرہ زیادہ کیا ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ خلفاے راشدہ کی سادگی اور پرہیزگاری کی روایت سے اور زیادہ الگ ہوتے گئے انہوں نے دربار کے آداب، خسروانہ زیبائش اور رسوم کے معاملے میں مشرقی سلطنت روما (قیصر) اور خانوادۂ ساسان (کسریٰ) کے حکمرانوں کی وضع اختیار کرلی۔ تعیش کی زندگی اور ظاہری شان و شوکت نے ان کے اخلاق بگاڑ دیے۔ انھوں نے خلافت کو ایک موروثی عہدہ بنا دیا اور رفتہ رفتہ ان کا اقتدار و اختیار اُن کے مسلح ترکی محافظوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوگیا۔"[1]

---

[1] قومی یکجہتی اور سیکولرازم، ڈاکٹر تارا چند، مترجمہ شمیم حنفی ۱۹۷۵ء ص ۴۸-۴۷

یہی ترک ہندوستان میں جب حملہ آور کی حیثیت سے داخل ہوئے تو ہندوستان کے وسیع علاقے میں آریائی تہذیب پھیلی ہوئی تھی۔ اس تہذیب کا اس تہذیب سے سابقہ پڑا جو مسلم تہذیب نہیں بلکہ افغانی تہذیب، منگول تہذیب اور ایرانی تہذیب تھی۔ ہندوستان پر جن مسلم بادشاہوں نے حکومت کی، ان میں دو چار کو چھوڑ کر کسی نے بھی حکومت کی بنیاد اسلامی قوانین پر نہیں رکھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلم مجاہد نہیں بلکہ ایسے حکمراں تھے جو اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر ملک کے قوانین بناتے تھے۔

جب آریا ہندوستان آئے تھے تو یہاں کے جنگلی قبیلوں اور دراوڑیوں نے شدّت سے اُن کی مخالفت کی تھی اور کافی عرصے تک ان میں جنگ وجدل رہی تھی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ مفاہمت پیدا ہونا شروع ہوئی۔ نفرتیں دور ہوئیں اور آپس میں گھُل مِل گئے۔ بالکل اسی طرح جب مسلمان ہندوستان آئے تو ہندوستانیوں نے مسلمانوں کو فاتح تو تسلیم کر لیا لیکن اپنے نسلی اور مذہبی تعصبات کو دور نہ کر سکے۔ پہلے ہنوں اور گوجروں کو ملیچھ کہا جاتا تھا، اب وہی لفظ مسلمانوں کے لیے استعمال ہونے لگا۔

کچھ دن تک خود مسلمان بھی یہاں کی مقامی آبادی سے کنارہ کش رہے۔ حکمران کی حیثیت سے وہ مقامی لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ہاں سیاسی مصلحتوں سے یا حکومت کی ضرورتوں کی وجہ سے انھوں نے ہندوؤں کو ہر طرح کی ملازمتیں دیں۔

مسلمان بادشاہ اپنے ساتھ جو مذہب لائے تھے، وہ سیاست کا تابع ہو چکا تھا۔ اس لیے کچھ عرصے بعد مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کی ہندو آبادی سے مفاہمت کے مختلف طریقے اختیار کیے۔ دربار اور فوج کے اہم اور غیر اہم عہدوں پر ہندوؤں کا تقرر کیا گیا۔ ہندوستان کے فنونِ لطیفہ اور یہاں کی اہم ترین زبان سنسکرت اور اس کے ادب کی نہ صرف سرپرستی کی گئی بلکہ اس کی ترقی اور فروغ کی کوشش کی گئی۔ مسلم بادشاہوں کے اس رویے کے بارے میں ڈاکٹر رام آسرا نے لکھا ہے: "تاریخ کے

غائر مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر مسلم بادشاہوں کو مذہب سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ اُن کی مذہبی پالیسی بھی عموماً سیاست کے زیرِ اثر مرتب ہوئی تھی۔ اسی لیے کبھی وہ علما کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے ہندوؤں پر سختی کرتے تھے اور کبھی علما کا زور توڑنے کے لیے ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملا لیتے تھے۔ بادشاہوں کی یہ سیاسی پالیسی محض برسرِ اقتدار رہنے کے لیے ہوتی تھی، جو کسی سخت اصول کی پابند نہیں تھی۔ اسی لچک دار سیاسی پالیسی کے پیشِ نظر محمود غزنوی نے ہندوؤں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ سومنات کا فتح کیا ہوا علاقہ وہاں کے ایک راجا سکھ پال کو سونپ دیا۔ سیاسی اغراض کے تحت کالنجر کے راجا کے خلاف قنوج کے راجا کنور رائے کی مدد کی۔ اس کے علاوہ وہ متعدد ہندوستانیوں کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ جہاں انھوں نے اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی۔ ہندوستانی علوم، معاشرت اور سیاست سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے لیے وہ ابوریحان البرونی جیسے عالم کو اپنے ساتھ لایا۔ البرونی نے ایک مدّت تک ملتان، لاہور اور بنارس میں رہ کر سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور "کتاب الہند"، جیسا ہندوؤں کے جملہ علوم کا مستند قاموس تصنیف کیا۔ اسی طرح سلطان محمود کے بیٹے مسعود کے ہندی رسالے کا ایک افسر (سوئند رائے) کرماں و ہرات کے حملے میں پیش پیش رہا۔ اس نے ہندی مقبوضات کی گورنری اور سپہ سالاری پر تلک نامی ایک ہندو سردار کو مقرر کیا۔ جس نے بعد میں غزنی جاکر اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی۔ سلطان محمود نے لاہور میں جو سکہ چلایا، اس کے ایک طرف عربی اور دوسری طرف سنسکرت عبارتیں منقوش تھیں۔ اس کے جانشینوں کے رائج کردہ سکے بھی بہت حد تک ہندوستانی سکوں سے ملتے جلتے ہیں اُن کے ایک طرف گھُڑسوار اور دوسری طرف نندی بیل کی تصویر ہے۔ ان کے ایک طرف سنسکرت حروف میں "سری ہمیر" (امیر) اور دوسری طرف "سمنتا دیو" مرقوم ہے۔ اس طرح غوریوں کے سکوں پر بھی ایک طرف لکشمی کی تصویر ہے اور دوسری طرف "سری محمد دن سام"، (محمد بن سام) لکھا ہے۔ مہارانی کملا دیوی علاء الدین خلجی کے قلعے

KHU ACDEMY, DELHI

میں داخل ہوئی تو قلعہ سلطانی کا نام راج گڑھ رکھا گیا اور محل کے اندر اور باہر ایرانی جھنڈے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی جھنڈا بھی لہرانے لگا۔"[1]

تغلق بادشاہوں اور بعد میں شیر شاہ سوری کی ہندوؤں اور مسلمانوں میں محبت اور اخوت پیدا کرنے کی کوشش بھی اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے۔

اکبر پہلا ہندوستانی مسلمان بادشاہ ہے، جس نے حکومتی امور اور اجتماعی زندگی میں سیاست کو مذہب پر ترجیح دی۔ اس نے ہندوؤں پر عائد جزیہ ختم کر دیا۔ یہ اکبر کی سیاسی مصلحت سے زیادہ انسان دوستی تھی جو اس نے اعلان کیا کہ کسی بھی ہندوستانی کو، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ شیر شاہ سوری نے بعض اہم عہدوں پر ہندوؤں کا تقرر کیا تھا لیکن یہ عام پالیسی نہیں تھی۔ اکبر نے فوجی اور سرکاری تمام عہدوں کے لیے ہندو اور مسلمان کی تفریق کو ختم کر دیا۔ پہلی بار بہت بڑی تعداد میں ہندو جانبازوں، دانشوروں، سیاست دانوں اور فنونِ لطیفہ کے ماہروں کی صلاحیتوں کا سرکاری طور پر اعتراف کیا گیا۔ عبدالقادر بدایونی، فیضی، ابوالفضل، عبدالرحیم خانخاناں اور ملا دو پیازہ کے ساتھ ساتھ ٹوڈر مل، راجا مان سنگھ، تان سین، تلسی داس، سورداس جیسی عظیم شخصیتوں کو بھی دربار میں قابلِ احترام جگہ دی گئی۔

اکبر نے راجپوت شہزادیوں سے شادیوں کی روایت قائم کی۔ اور اس نے "دینِ الٰہی" کی بنیاد رکھی، جس میں وہ ناکام رہا۔ مذہبِ اسلام کے نقطۂ نظر سے "دینِ الٰہی" کے بارے میں چاہے جو کچھ کہا جائے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ "دینِ الٰہی" ایک

---

[1] اردو شاعری میں قومی یکجہتی کی روایت ۔ ڈاکٹر رام آسرا راز دہلی ۱۹۷۷ء، ص ۵۹ - ۵۷

مذہب نہیں بلکہ ہندوستان کے مخصوص حالات میں پیدا ہونے والی ایک ایسی تحریک تھی، جس کی بنیاد انسان دوستی، رواداری اور مساوات پر تھی۔ اکبر نے جس مذہبی رواداری اور قومی اتحاد کی روایت قائم کی وہ بہادر شاہ ظفر تک قائم رہی۔

جب مسلمان صوفیوں نے وحدت الوجود کے فلسفے کی تبلیغ کی تو ہندوؤں کو یہ فلسفہ ویدانت کے فلسفے سے ہم آہنگ نظر آیا۔ اور نفرت کی جو دیواریں دونوں مذاہب کے درمیان کھڑی تھیں، آہستہ آہستہ گرنے لگیں۔ ان دونوں مذاہب کے لوگوں کو ایک دوسرے سے بہت قریب لانے میں بھگتی تحریک کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

بھگتی تحریک کا آغاز گیارہویں صدی میں جنوبی ہند میں ہوا۔ اس سلسلے کے پہلے بزرگ رامانج تھے جنھوں نے تحریک کے لیے فلسفیانہ اساس فراہم کی۔ کچھ ہی عرصے میں یہ تحریک جنوبی ہند سے نکل کر شمالی ہند میں پھیلنی شروع ہوئی۔ اس عہد میں راجپوت ریاستوں میں ویشنو مت فروغ پا رہا تھا۔ اس تحریک نے ویشنو مت کو تقویت پہنچائی۔ دو تین صدیوں بعد اس سلسلے میں بھگت رامانند پیدا ہوئے۔ جن کی بدولت اس تحریک کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ رامانند سے پہلے بھگتی کی بنیاد ویشنو پر تھی۔ رامانند نے رام چندر جی کو موضوع بنایا۔ اس تحریک میں اتنی وسعت اور فراخدلی تھی کہ مسلمان بھی متاثر ہونے لگے۔

سولہویں صدی کے آغاز میں کبیر نے اس تحریک کو ایک ایسا رُخ دیا کہ مسلمانوں کی رہی سہی مغائرت بھی ختم ہوگئی۔ انھوں نے ایک ایسے خدا کا تصور پیش کیا جو مسلمانوں کے خدا کے تصور سے ہم آہنگ تھا۔ کبیر نے اپنے دوہوں اور گیتوں کے ذریعے اس فلسفے اور عقیدے کی تبلیغ کی جسے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ کبیر کے علاوہ تلسی داس، سور داس اور رائے داس نے بھی مذہبی اور تہذیبی یک جہتی کے لیے شعوری کوششیں کیں۔

مسلمانوں میں یہ کام ملک محمد جائسی، شیخ منجھن اور قطبن وغیرہ نے کیا۔ ان حضرات

نے ہندو کرداروں اور ہندوستانی موضوعات کے سہارے ہندو مسلم عوام کو تصوف کے مسائل سمجھانے کی کوشش کی۔ دکنی شاعروں نے ہندوستانی قصّوں پر مبنی مثنویاں لکھیں۔ اس سلسلے میں نظامی کی کدم راؤ پدم راؤ، نصرتی کی پھول بن، تحسین کی کام روپ اور غواصی کی کنور منوہر اور مدھومالتی وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

برج بھاشا کے شاعروں میں عبدالرحیم خانخاناں، عالم شیخ، آرزو خاں محبوب، حافظ موسیٰ، مبارک علی خاں رجب نے بھی دونوں فرقوں کی جذباتی آہنگی کے لیے شعوری کوششیں کیں۔

صوفیوں، سنتوں اور شاعروں کی شعوری کوششوں سے مذہب کے بنیادی اختلافات اس حد تک دور ہو گئے کہ ہندو مسلمان صوفیوں کے مرید ہوتے اور مسلمان ہندو بزرگوں کے۔ سلطان سخی سرور کے مریدوں میں ہندوؤں کی تعداد غیر معمولی تھی۔ ان ہندو مریدوں کو سلطانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ لوگ پنجاب کے مختلف اضلاع میں آج بھی موجود ہیں۔ بنگال کے چیتنیہ مہاپربھو کے بہت سے چیلے مسلمان تھے۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیری کے معتقدوں میں بڑی تعداد ہندوؤں کی بھی تھی۔ آج بھی بڑی تعداد میں ہندو صبح کو درگاہ پر ماتھا ٹیک کر اپنے کاروبار پر جاتے ہیں۔ گرونانک کے مریدوں میں مردانہ بھی شامل تھے جو ہر وقت اپنے مرشد کے ساتھ رہتے تھے۔ مذہبی رواداری کا یہ عالم تھا کہ سکھوں کی مقدس ترین کتاب "گرنتھ صاحب" میں بابا فرید کا خاصا کلام شامل ہے جسے انتہائی احترام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ سکھ اپنے دوسرے مذہبی پیشواؤں کے برابر ہی بابا فرید کا احترام کرتے ہیں۔

گورو ارجن دیو جی نے امرتسر کے گوردوارہ ہرمندر صاحب کا سنگِ بنیاد ایک مسلمان بزرگ سائیں میاں میر سے رکھوایا تھا۔

ہزاروں سال کی تاریخ میں بہت کم ایسا ہوا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی وحدت

کے رشتے میں مربوط رہا ہو۔ ورنہ پورا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم رہا ہے۔ سب سے پہلے چندر گپت موریہ نے یونانی حکمران سنیوکس کو شکست دے کر ہندوستان کو یونانی حملوں کے خطرے سے آزاد کیا اور تمام شمالی ہند میں ایک ایسی سلطنت قائم کی جس سے سیاسی وحدت پیدا ہوئی۔ پھر اشوک اعظم نے اپنی سلطنت کو اتنی وسعت دی کہ انتہائی جنوبی ہند کے علاوہ تمام ہندوستان پر اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ مغلوں کے عہد میں اکبر نے بھی اپنی سلطنت کی حدود کو غیر معمولی وسعت دی۔ اس سیاسی وحدت نے ہندوستانی عوام میں یہ احساس ضرور پیدا کیا کہ اُن کا ایک دوسرے سے قومی اور تہذیبی رشتہ ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف چندر گپت موریہ، اشوک اور اکبر کے زمانے میں عوام میں متحدہ قومیت کا احساس تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کچھ زمانے کو چھوڑ کر ہمیشہ ہی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم رہا ہے لیکن پھر بھی تہذیب اور تمدن کے فروغ اور ارتقا کے راستے میں یہ تقسیم کبھی رُکاوٹ نہیں بنی۔

ہندوستان ایک وسیع اور عریض مُلک ہے۔ اس لیے یہاں تہذیب کی کثرت اور رنگارنگی ہے۔ مختلف علاقوں میں مختلف انداز کے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ مختلف دیوتاؤں کی پوجا ہوتی ہے۔ مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ مختلف تہذیبی اقدار ہیں۔ لیکن اس رنگارنگی اور کثرت کے باوجود ان سب میں کچھ ایسی قدریں مشترک ہیں کہ سب الگ الگ ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں۔ اس وحدت میں کثرت اور رنگارنگی تہذیب کی سب سے بڑی مظہر اُردو زبان ہے۔ جو ہندوستان کو ہند ایرانی تہذیب کی سب سے بڑی دین ہے۔

مسلم بادشاہوں کی سرکاری زبان ہمیشہ ہی فارسی رہی۔ فارسی حکومت کے کاروبار کی زبان تو بن سکتی تھی۔ پڑھا لکھا طبقہ اس زبان کے ادب سے لطف اندوز بھی ہو سکتا تھا لیکن عوام فارسی سے ناواقف تھے۔ اس لیے امر [illegible]، انشا"

ملازمین بلکہ خود بادشاہوں کو جب عام آدمی سے گفتگو کرنی ہوتی تو انھیں کی زبان میں کرتے۔ اس مقصد کے لیے مسلمانوں نے ہندوستان کی بہت سی زبانوں کا استعمال کیا۔ ان زبانوں میں ملیالم، تامل، پنجابی، بنگالی، اودھی، قنوجی، برج بھاشا، کشمیری، سندھی گجراتی اور کھڑی بولی وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تمام زبانیں حکمرانوں کی زبان یعنی فارسی سے متاثر ہوئیں۔ کشمیری، سندھی پنجابی اور کھڑی بولی نے فارسی رسم الخط کو اپنا لیا اور باقی زبانوں نے فارسی اور فارسی میں مستعمل عربی الفاظ مستعار لیے۔ جنوبی ہند کی زبانوں اور خاص طور سے ملیالم اور کو کنی نے براہ راست عربی سے الفاظ مستعار لیے۔ اور کھڑی بولی نے تو فارسی سے اس حد تک اثر قبول کیا کہ باقاعدہ ایک ادبی زبان بن گئی۔

لسانی اعتبار سے جدید اُردو اور جدید ہندی دونوں اس بولی کا نکھرا ہوا اور ترقی یافتہ روپ ہیں جو دہلی اور اس کے آس پاس بولی جاتی تھی اور جس کا نام کھڑی بولی تھا۔ یہ بولی مغربی ہندی کی پانچ بولیوں میں سے ایک تھی۔ باقی چار، ہریانی، برج قنوجی اور بندیلی تھیں۔ مغربی ہندی شورسینی اپ بھرنش کی ترقی یافتہ شکل تھی۔ جب مسلمان بادشاہوں نے دلّی کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو کھڑی بولی بھی ترقی کرنے لگی، اس نے درباری زبان یعنی فارسی سے متاثر ہونا شروع کیا۔ شمالی ہند میں غالباً امیر خسرو پہلے شاعر تھے جنھوں نے کھڑی بولی کو ادبی اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ابھی کھڑی بولی کا ڈھانچہ ایسا تیار نہیں ہوا تھا کہ اسے ادبی زبان کہا جا سکتا کہ ۱۵۰۴ء میں سکندر لودھی نے دلّی کو چھوڑ کر آگرے کو اپنا دارالخلافہ بنا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کھڑی بولی ٹھٹھر کر رہ گئی اور آگرے میں برج بھاشا نے وہ مقام حاصل کر لیا جو دلّی میں کھڑی بولی کا تھا۔ مغل بادشاہوں میں اکبر نہ صرف فنونِ لطیفہ کا زبردست سرپرست تھا بلکہ ادب نواز بھی تھا۔ اس نے

برج بھاشا کی سرپرستی اس طرح کی کہ کچھ ہی عرصے میں اس بولی میں قابلِ فخر ادبی سرمایہ پیدا ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ خود اکبر نے اس بولی میں اشعار کہے تھے۔

شاہ جہاں نے جب اپنا دارالخلافہ آگرے سے دلّی منتقل کیا تو اس عہد کی زبانیں بھی اسے سیاسی واقعے سے متاثر ہوئیں۔ برج بھاشا سرپرستی سے محروم ہو گئی اور کھڑی بولی کو ایک بار پھر وہ وقار حاصل ہو گیا جو اس نے صدیوں پہلے کھو یا تھا۔

شاہ جہاں کے زمانے سے اورنگ زیب کے عہد تک کھڑی بولی کی ادبی ترقی کی رفتار سُست رہی۔ غالباً اس کی بڑی وجہ فارسی کی غیر معمولی مقبولیت تھی۔ مغل دربار میں فارسی کے زوال نے کھڑی بولی کی ترقی کی رفتار کو تیز کیا اور بہت سے فارسی شعرا اس زبان کی طرف متوجہ ہوئے۔ کھڑی بولی نے فارسی سے نہ صرف الفاظ مستعار لیے بلکہ تلمیحات تشبیہات، استعارات، اصنافِ سخن اور شاعرانہ مزاج بھی مستعار لیا۔ اس زبان کی تشکیل اور اس کے ادب کے فروغ میں تمام مذاہب کے لوگوں نے نمایاں حصّہ لیا تھا۔ اس لیے اس زبان کا بنیادی کردار سیکولر اور متحدہ قومیت کا آئینہ دار بنا۔

صوفیائے کرام اور ہندو بزرگوں اور صوفیوں نے جس انسان دوستی اور مذہبی رواداری کی تعلیم دی تھی اس کا پورا عکس اردو شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔ بے شمار مسلمان شعرا نے رام چندر جی، کرشن جی، گوتم بدھ، مہاویر سوامی اور دوسرے غیر مسلم پیغمبروں اور بزرگوں پر نظمیں لکھیں۔ اسی طرح غیر مسلم شعرا نے آنحضرتؐ، حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

اُردو شاعری نے ہمیشہ ہی انسان دوستی اور مذہبی رواداری کی تبلیغ کی۔ دیر و حرم کی تفریق کو تسلیم نہیں کیا۔ شیخ اور برہمن کی ظاہر داریوں کا مذاق اڑایا۔ ملک اور قوم سے محبت کے گیت گائے۔

یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ باہر سے آنے والے مسلمانوں نے ہندوستان کی تہذیب اور یہاں کے رسم و رواج کو متاثر نہ کیا ہو اور خود بھی متاثر نہ ہوئے ہوں —— ہندوستان کے کھانوں، آداب و اطوار، رہن سہن اور لباس وغیرہ پر باہر سے آنے والے مسلمانوں اور خاص طور سے مغلوں کا گہرا اثر ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی فکر، ان کے رسم و رواج اور زندگی کے مختلف شعبے یہاں کی زندگی سے متاثر ہوئے۔ اس طرح ایک ایسی تہذیب وجود میں آئی جسے ہندو مسلم مشترکہ تہذیب یا دوسرے لفظوں میں ہند ایرانی تہذیب کہا جاتا ہے۔ اس مشترکہ تہذیب کی تشکیل میں ہندوستان کے اُن مقامی باشندوں کو زیادہ دخل ہے، نے مذہبِ اسلام قبول کیا۔ اُن رانیوں کا بہت بڑا یوگدان ہے، جنھوں نے مغل بادشاہوں سے شادیاں کیں۔ نو مسلموں نے اپنے رسم و رواج برقرار رکھے۔ صرف اتنا ہوا کہ جن ہندو رسموں میں سنسکرت کے اشلوک پڑھے جاتے تھے، اُن میں قرآن کی آیتیں پڑھی جانے لگیں۔ جس کی بہت سی مثالیں رسومِ دہلی میں ملیں گی۔

موت کے تیسرے روز ہندوؤں میں تیجا ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے یہ رسم ہندوؤں سے لی ہے اور اس کا نام پھول یا فاتحۂ سوم رکھا ہے۔ اس موقع پر ہندوؤں میں سنسکرت کے اشلوک پڑھے جاتے ہیں اور مسلمانوں میں چنوں پر قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس رسم کی پوری تفصیل سیّد احمد دہلوی صاحب نے اس کتاب میں پیش کی ہے۔ ہندو دھرم کی بہت سی رسموں کا اسلام میں بدل پیدا کیا گیا۔ قبر پرستی اور نذر و نیاز بھی ہندو دھرم ہی کی دین ہے۔ غرض یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بیشتر رسمیں ہندوؤں سے لی ہیں۔

شاہ عالم سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک بعض ہندو تہوار مثلاً راکھی، ہولی، دیوالی اور دسہرہ وغیرہ قلعے میں باقاعدگی سے منائے جاتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

آدابِ تخت کے پاس و لحاظ میں اُن شہزادوں کی ختنہ نہیں کرائی جاتی تھی، جو تخت کے حق دار ہو سکتے تھے۔ ہندو دھرم کی بہت سی رسموں اور روایتوں کا مسلمانوں کے رسم و رواج پر ہندوستان کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ بعض ایسی روائتیں، جن کا تعلق سو فی صدی ہندو دھرم کے ماننے والوں سے تھا، مسلم رسم و رواج کا بھی حصّہ بن گئیں۔ مثلاً ہندوؤں کے ہاں جب بچّہ پیدا ہوتا ہے تو ایسے گیت گائے جاتے ہیں، جن میں کرشن جی کی ولادت کا ذکر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاں بھی ولادت کے موقع پر یہی جچاگیریاں گائی جاتی تھیں۔ ہم نے کچھ عرصے پہلے تک وہ جچاگیریاں سُنی ہیں، جنھیں سیّد احمد دہلوی نے نقل کیا ہے۔ مثلاً اس جچاگیری میں:۔

البیلے نے مجھے درد دیا
سانولیا نے مجھے درد دیا

البیلے اور سانولیا سے مراد کرشن جی ہی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں اور خاص طور سے مغلوں نے نہ صرف ہندو رسم و رواج اپنائے، بلکہ اسی انداز پر کچھ نئی رسموں کو جنم دیا یا ہندوستان سے باہر کی بعض رسموں کو شامل کیا مثلاً "بچّہ بگیر" کی رسم ہندوستانی نہیں بلکہ بہ قول سیّد احمد دہلوی ترکی الاصل ہے۔ اس رسم کے علاوہ بچّہ پیدا ہونے کی تمام رسمیں ہندوستانی ہیں اور ہندو اور مسلمان دونوں میں مشترک ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ صحنک کی رسم شاہ جہاں کی والدہ جودھ بائی کی ایجاد ہے۔ اس رسم کی دلچسپ تفصیل سیّد احمد دہلوی نے بیان کی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں نے ہندوستان کے بعض ایسے رسم و رواج بھی اپنا لیے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے۔ مثلاً اسلام نے بیوہ کی شادی پر بہت زور دیا ہے لیکن ہندوستان میں بیوہ کی شادی کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے بھی اس روایت کو اپنا لیا۔ بڑے شہروں میں تو یہ لعنت بہت کم ہوتی جا رہی ہے لیکن

دیہی علاقوں میں اب بھی کافی حد تک برقرار ہے۔

سہاگن اور بیوہ کے ساتھ سماج کا ہندوستان میں جو رویہ ہے وہ سو فی صدی ہندوستانی ہے۔ بعض رسموں میں صرف سہاگنیں شریک ہوسکتی ہیں۔ شادی اور خوشی کی بہت سی رسموں کے موقع پر بیواؤں کو دور رکھا جاتا ہے، مسلمانوں کا بھی سہاگنوں اور بیواؤں کے ساتھ وہی رویہ ہے، جو ہندوؤں کا ہے۔ تعلیم اتنی عام ہونے کے باوجود بیواؤں کے ساتھ یہ ظلم آج بھی ہوتا ہے۔

انسانیت کو اسلام کی سب سے بڑی دین مساوات کا تصور تھا، جس میں ایک انسان کو دوسرے انسان پر نسل، علاقہ، زبان اور دوسری بنیادوں پر نہیں بلکہ ذاتی اعمال کی بنیاد پر ترجیح حاصل ہے۔ یہ تصور خلفائے راشدین تک تو قائم رہا اور پھر سماج مختلف حصّوں میں تقسیم ہوگیا۔

ترکی اور ہندوستان دونوں ملکوں میں مسلم سماج تین حصّوں میں تقسیم تھا۔ (۱) اہلِ سیف (۲) رعایا اور (۳) تجار۔ ضیاء الدین برنی نے مسلم سماج کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) اشراف اور (۲) اجلاف ــــ ابوالفضل نے چار طبقوں میں سماج کی تقسیم کی ہے

۱۔ بادشاہ اور اُس کا خاندان
۲۔ فوجی امرا
۳۔ دیوانی اور مذہبی امور کے عہدیدار اور
۴۔ محصول دہندگان

ابتدا ہی سے مسلم سماج مہاجرین مسلمان اور دیسی مسلمان میں تقسیم تھا۔ مہاجرین مسلمانوں کی بھی کئی قسمیں تھیں (۱) عربی اور (۲) عجمی ــــ پھر ان میں بھی علاقوں کی بنیاد پر تقسیم در تقسیم تھی۔ دیسی مسلمان سے مراد وہ ہندو ہیں جنھوں

نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ ہندو اپنے ساتھ جو ذات پات کا نظام لے کر آئے تھے، وہ مختلف صورتوں میں برقرار رہا۔ ڈاکٹر محمد عمر نے اپنی کتاب "ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر" میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ ڈاکٹر محمد عمر نے ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے حوالے سے مسلمانوں کی مندرجہ ذیل ذاتوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ اشراف۔ سید، مغل، پٹھان اور شیخ
۲۔ مسلم راجپوت
۳۔ میواتی مسلمان
۴۔ پاک کام کرنے والی ذاتیں مثلاً جلاہے، درزی، قصّاب، حجّام یا نائی، کنجڑے، میراثی، کمہار، منہار، دھنیا، تیلی، دھوبی، گدی اور فقیر
۵۔ نجس کام کرنے والی ذاتیں۔ بھنگی اور چمار وغیرہ۔

ان ذاتوں کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوجاتا، بلکہ ان کی پھر تقسیم در تقسیم ہے۔

آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو کنواری بیٹیوں کو بُڑھیا کر دیتے ہیں، لیکن ان کی شادی ایسے لڑکوں سے کرنا پسند نہیں کرتے، جو اُن کے خیال کے مطابق اُن سے کم ذات کے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کے تقریباً تمام رسم و رواج ہندوستان ہی میں وجود میں آئے ہیں اور ہندوؤں سے لیے گئے ہیں۔

سیّد احمد دہلوی نے اپنی کتاب "رسومِ دہلی" کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔

"پہلے اس سے کہ میں ان رسموں کو شروع کروں اس قدر عرض کردینا

مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کی عورتوں اور ان کے سبب ان کے مردوں میں جس قدر رسمیں مروج ہیں وہ تقریباً سب کی سب ہندوانی رسمیں ہیں جن میں سے بہت سی رسمیں توجوں کی توں ہیں۔ بعض کے نام تو وہی ہیں مگر طریقے بدل گئے ہیں۔ بعض میں برائے نام فرق کر دیا ہے۔ بعض کو مذہبی امور میں بہ تغیّر نام شامل کر لیا۔ مثلاً رسمِ تیجا ہندوؤں میں، فاتحہ سوم یا پھول مسلمانوں میں۔"

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ خلفائے راشدہ کے بعد خلفائے امیہ نے اسلام کے بنیادی اصولوں میں بعض اہم تبدیلیاں کی تھیں۔ تبدیلیوں کا یہ سلسلہ پھر کبھی بند نہیں ہوا۔ اسلام جس ملک میں گیا، وہاں کے مقامی رسم و رواج کے سانچوں میں اسے خود کو ڈھالنا پڑا۔

ہندوستان میں اسلام کا بالکل مختلف سماجی ڈھانچے سے واسطہ پڑا۔ رعیت کا دل جیتنے اور مذہبی حکومت برقرار رکھنے کے لیے بادشاہوں کو مذہبی، سماجی اور سیاسی اقتدار کے معاملے میں قدم قدم پر سمجھوتے کرنے پڑے۔

ان سمجھوتوں سے ایک نئے ذہن کی تشکیل ہوئی یہی وہ ذہن ہے، جس نے اکبر کی دینِ الٰہی کی تحریک کو جنم دیا۔

"ہندوستان میں مشترک کلچر کی اس شعوری اور اکثر اوقات غیر شعوری تحریک کی مسلمان علما مخالفت کرتے رہے۔ بہ قول ڈاکٹر تاراچند التمش اور اس کے بعد کے ادوار میں مشکل ہی سے کوئی ایسا سلطان دکھائی دیتا ہے، جس کا علما سے تصادم نہ ہوا ہو، التمش پر سید نورالدین مبارک غزنوی کی جانب سے غیر اسلامی شعائر اختیار کرنے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ ضیاء الدین برنی نے بلبن، محمد تغلق اور دوسرے سلاطینِ دہلی کے اس رویّے کی مذمت کی کہ انھوں نے

خلفائے راشدہ کے مسلک پر غیر مسلم ساسانی شہنشاہوں کو ترجیح دیتے ہوئے اُن کے طور طریقے اپنا لیے اور اُن کی سیاسی اور سماجی پالیسی اختیار کی۔ قاضی مغیث الدین نے علاء الدین خلجی سے یہ شکوہ کیا تھا کہ وہ شریعت کی راہ سے بھٹک گیا ہے[1]"

بیشتر علما ہمیشہ ہی سے مشترکہ کلچر کے خلاف رہے۔ لیکن اس مخالفت کا پہلی بار منظم طور پر بھرپور اظہار حضرت سیّد احمد سرہندی مجدّد الف ثانی سے ہوا۔ مجدّد الفِ ثانی کی تحریک دراصل اُس ذہن کے خلاف بغاوت تھی، جس نے دینِ الٰہی کو جنم دیا تھا۔ صوفیائے کرام نے ہندوستان اور ایران کے زیرِ اثر وحدت الوجود کے فلسفے کو فروغ دیا۔ اس فلسفے کے تحت شریعت پر طریقت کو ترجیح دی گئی، جس سے اسلام کے بعض بنیادی اصولوں کی نفی ہوتی تھی، اس کے علاوہ قرآن اور حدیث کی تفسیر اس طرح کی گئی کہ بدعتِ حسنہ کے نام پر اسلام میں نئی نئی چیزیں شامل ہو گئیں۔

یہ مسئلہ صرف ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ جیسا میں نے پہلے عرض کیا پوری دنیا میں تھا۔ اس لیے حضرت مجدّد الف ثانی کے تقریباً دو سو سال بعد سعودی عرب میں محمد عبدالوہاب اور ہندوستان میں سیّد احمد بریلوی نے غیر اسلامی رسم و رواج کے خلاف ایک تحریک شروع کی، جسے وہابی تحریک کہا جاتا ہے۔

اٹھارویں صدی میں جب مغل اور ترکستان میں عثمانیہ حکومت کا زوال ہوا تو جن مسلم دانشوروں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے زوال کا ایک سب سے بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اسلام میں غیر اسلامی عناصر داخل ہو گئے ہیں۔ اُن میں شاہ

---

[1] قومی یکجہتی اور سیکولرازم، ڈاکٹر تاراچند، دہلی، ۱۹۷۵ء ص ۵۱

ولی اللہ کا نام سرِفہرست ہے۔ انھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے نظامِ حکومت اُن کے مذہبی تصورات اور سماجی زندگی پر تنقید کرکے کوشش کی کہ اسلام بدعتوں سے پاک ہوکر خالص ہوجائے لیکن شاہ ولی اللہ کی یہ تحریک اپنے مقصد میں ناکام رہی اور رسم ورواج کی پابندی اُسی طرح کی جاتی رہی۔

علمِ سماجیات کی روشنی میں رسم ورواج کے بارے میں چند باتیں کرنی ضروری ہیں۔ رسموں کو ہم تین حصّوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

۱۔ مذہبی

۲۔ سیکولر

۳۔ مذہبی سیکولر

۱۔ مذہبی رسوم وہ ہیں، جن کا تعلق کسی مذہب سے ہوتا ہے۔ مثلاً مسلمانوں میں نکاح، ولیمہ، بچوں کے کان میں اذان دینا، عقیقہ، ختنہ، نماز، روزہ، فاتحہ سوم اور چالیسواں وغیرہ مذہبی رسمیں ہیں۔

۲۔ سیکولر رسمیں۔ ستوانسا، نوماسا، سردان، رتجگہ۔ رقعہ۔ منگنی۔ مائیوں بٹھانا۔ ابٹنا کھیلنا۔ ساچق۔ مہندی لگانا۔ برات۔ چوتھی۔ چالے وغیرہ یہ وہ رسمیں ہیں، جن میں مذہب کو دخل نہیں، یہ سماجی رسوم ہیں۔ بات بھیجنے اور رقعے کے علاوہ تمام رسوم ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔

۳۔ مذہبی سیکولر۔ تیسری طرح کی رسمیں وہ ہیں جو بنیادی طور پر سیکولر ہیں۔ لیکن قرآن شریف رکھ کر یا قرآن شریف کی بعض آیتیں پڑھ کر ان پر تھوڑا سا مذہبی رنگ چڑھا دیا گیا ہے۔ مثلاً گھوڑی چڑھانے کی رسم ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں تھی، ہندو بچے کو گھوڑی پر بیٹھا کر مندر اور مسلمان مسجد یا درگاہ لے جاتے ہیں۔ بسم اللہ ایک ایسی رسم ہے جس میں بچے کی تعلیم کا آغاز کیا جاتا ہے۔

بچّے سے پہلے بسم اللہ پڑھوائی جاتی ہے اور پھر "اقرا باسم ربک الذی خلق" کے الفاظ کہلوائے جاتے ہیں۔ مونچھوں کے کونڈوں میں آنحضرت کے نام کی نیاز دلواتے ہیں۔ آرسی مصحف میں دولہا دلہن کے درمیان قرآن شریف رکھ دیا جاتا ہے۔ غرض یہ رسوم سیکولر ہیں لیکن ان کو معمولی سا مذہبی رنگ بھی دے دیا گیا ہے۔

ہماری بیشتر رسوم وہ ہیں جو اُس وقت سے رائج ہیں جب سے انسان نے سماجی زندگی کا آغاز کیا۔ کوئی ایک بھی رسم ایسی نہیں ہے، جو بے وجہ ہو۔ ہر رسم کی بنیاد کسی نہ کسی مقصد پر ہے۔ اس لحاظ سے رسوم کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سماجی رسوم

۲۔ مذہبی رسوم

۳۔ نفسیاتی

سماجی رسوم: جب سے سماج میں فرد کوئی نئی حیثیت اختیار کرتا ہے تو کچھ رسوم کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ یہ رسوم فرد کی نئی حیثیت کا اعلان کرتی ہیں۔ مسلمانوں میں نکاح اور ہندوؤں میں پھیرے غیر شادی شدہ افراد کا شادی شدہ ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ تمام مذاہب میں شادی کے موقع پر مختلف رسوم اسی حقیقت کا اعلان کرتی ہیں۔ سماج میں عورت کے مقابلے میں مرد کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے بیشتر سماجی رسوم بیٹے، شوہر اور باپ کے لیے ہیں۔ ہندوؤں میں "اُپ نینا" یعنی جنیو پہنانے کی باقاعدہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس رسم کا مقصد یہ اعلان ہے کہ بچے نے جوانی میں قدم رکھا۔ بسم اللہ، ہدیہ، آمین، مونچھوں کا کونڈا اور پگڑی باندھنا وغیرہ اسی طرح کی سماجی رسوم ہیں۔ ہندوستانی سماج میں لڑکوں اور لڑکیوں کے آزادانہ

اختلاط پر ہمیشہ پابندی رہی ہے۔ بعض رسوم ایسی ہیں کہ کچھ دیر کے لیے یہ پابندی ختم کر دی جاتی ہے ابٹنا کھیلنے اور چوتھی میں ایک دوسرے پر پھول او پھل مارنے اور ہندوؤں میں ہولی کھیلنے کی رسموں کا یہی مقصد ہے۔

مذہبی رسوم: نماز، روزہ، زکواۃ، حج اور اس طرح کی دوسری رسوم کا مقصد سماجی برائیوں سے بچنا اور ذہنی آسودگی حاصل کرنا ہے۔

نفسیاتی رسوم: جب فرد کی شادی ہوتی ہے یا بچہ پیدا ہوتا ہے یا کسی کا انتقال ہوتا ہے تو ان تینوں صورتوں میں فرد کے ذہن پر ان واقعات کا گہرا اثر ہوتا ہے شادی کی رسمیں اس لیے ہوتی ہیں کہ لڑکا اور لڑکی اپنے نئے رشتے داروں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور نئی ذمہ داریوں کے لیے تیار ہو جائیں۔ چوں کہ شادی کا اثر لڑکی کے ذہن پر زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اُس کے لیے زیادہ رسمیں ہوتی ہیں، چوتھی، چالے اور شادی کے بعد دوستوں اور عزیزوں کی طرف سے دعوتوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ دولہا دلہن اپنے نئے رشتہ داروں سے مل کر بے تکلف ہو سکیں۔

بچّہ پیدا ہوتا ہے تو ماں اور باپ دونوں کی نئی ذمہ داری شروع ہوتی ہے ماں باپ کو اس نئے رول کے لیے تیار کرنے کے لیے بہت سی رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ پہلا بچّہ پیدا ہونے سے پہلے ماں ایک فطری خوف کا شکار ہوتی ہے۔ گود بھرائی، ستوانسا اور نوماسا جیسی رسوم سے اس خوف میں کچھ کمی آجاتی ہے۔

کسی عزیز کی موت کے بعد جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں، وہ بھی ذہنی سکون کا سامان فراہم کرتی ہیں۔

غرض یہ ہے کہ یہ رسمیں ہمارے ذہنوں کی آسودگی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ نئے حالات سے ہم آہنگ ہونے میں ہماری مدد کرتی ہیں۔ غیر یقینی حالات میں ہمارے دل و دماغ کو صبر و سکون پہنچاتی ہیں۔ بعض رسوم تفریحِ طبع اور انسان کا دل بہلانے کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔

"رسوم دہلی" کا ایک اڈیشن ترقی اردو بورڈ، کراچی نے مرتب کیا تھا سیّد یوسف بخاری نے سیّد احمد دہلوی کے حالات لکھے جو مقدّمے کے طور پر اس اڈیشن میں شامل کیے گئے۔ نومبر ۱۹۶۲ء میں اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی سے یہ اڈیشن شائع کیا۔

چونکہ اس اڈیشن میں صحتِ متن کا بہت خیال رکھا گیا ہے، اس لیے زیرِ نظر اڈیشن کے متن کی بنیاد اسی نسخے ہی پر ہے۔

یوسف بخاری صاحب نے "رسومِ دہلی" کی فرہنگ بھی مرتب کی تھی، جو ترقی اردو بورڈ اڈیشن کے آخر میں شامل ہے، اُن کے شکریے کے ساتھ یہ فرہنگ اس اڈیشن میں بھی شامل کی جاری ہے۔

خلیق انجم

تمہید

پہلے اس سے کہ میں ان رسموں کو شروع کروں، اس قدر عرض کر دینا مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کی عورتوں اور ان کے سبب ان کے مردوں میں جس قدر رسمیں مروّج ہیں وہ تقریباً سب کی سب ہندوانی رسمیں ہیں جن میں سے بہت سی رسمیں توجوں کی توں ہیں۔ بعض کے نام تو وہی ہیں مگر طریقے بدل گئے ہیں۔ بعض میں برائے نام فرق کر دیا ہے، بعض کو مذہبی امور میں بہ تغیّرِ نام شامل کر لیا ہے۔ مثلاً رسم تیجا ہندوؤں میں، فاتحۂ سوم یا پھول مسلمانوں میں۔ اگرچہ پھول کا لفظ یہاں بھی مشترک ہے کیونکہ ہندوؤں میں پھول مردے کی جلی ہوئی ہڈیوں کو کہتے ہیں، جو تیسرے روز مرگھٹ سے چن کر گنگاجی لے جانے کے واسطے جمع کرتے ہیں۔ عام مسلمانوں نے اسی رعایت کی غرض سے اُس روز مردے کی قبر پر ارگجا اور پھولوں کی چادر کا بھیجنا ایک لازمی امر سمجھ کر فاتحۂ سوم کا نام پھول رکھ لیا۔ ارگجا ٹھیٹ ہندی لفظ بمعنی خوشبو مستعمل ہے۔ مسلمانوں نے برادۂ صندل، مشک، کافور، عنبر، عرقِ گلاب وغیرہ کو ملا کر ایک مرکب خوشبو کا نام ارگجا رکھ لیا جسے خاص تیجے کے روز ایک پیالے میں بھر کر اور اس پیالے کو ایک پھولوں کی بھری رکابی میں رکھ کر ہر ایک فاتحہ خواں کے سامنے لے جاتے ہیں، وہ ایک ایک

پھول قل ہو اللہ[1] پڑھ کر اس پیالے کے اندر ڈال دیتا ہے اور یہ پیالہ مردے کی قبر پر بھیج کر مع چادر رکھ دیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا اور بہت سی رسموں اور نیز رسمی گیتوں کا یہی حال ہے جو دونوں قوموں کی رسموں اور گیتوں کے مقابلے سے بخوبی ظاہر ہو جائے گا۔ میں نے جس طرح مسلمانوں کی رسمیں لکھی ہیں اسی طرح اس امر کے ثبوت میں ہندوؤں کی رسمیں بھی لکھ لی ہیں جو عنقریب اپنے ذخیرۂ معلومات سے چھاپ کر پیش کروں گا۔

ان دونوں قوموں کی رسموں کے متحد ہو جانے کے چار سبب ہیں۔ سب سے پہلا سبب تو یہ ہے کہ جس وقت شمالی ممالک کے مسلمانوں نے یہاں آکر حکومت اور سکونت اختیار کی تو وہ لوگ جریدہ آئے۔ اگرچہ بعض بادشاہ اور وزرا اپنی بیگمات کو ہمراہ بھی لائے مگر شاذ و نادر ایسا ہوا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے یہاں کے نومسلموں کی عورتوں سے جن کی گھٹی میں ہندی قومی عقائد اور رسمیں پڑی ہوئی تھیں۔ شادیاں کیں، اس وجہ سے بدستور اُن کی اولادِ اناث میں بکثرت اور اولادِ ذکور میں کسی قدر کم و بیش رسمیں، عقیدے جمے رہے جو آج تک چلے آتے ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ آدمی جہاں رہ پڑتا ہے وہیں کی باتیں جیسے رسم و رواج، روّیہ، برتاؤ، بول چال بلکہ خوراک و پوشاک تک اپنے آپ کو مانوس کرنے کی غرض سے اختیار کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے بباعثِ اتحاد و ارتباط ان لوگوں نے اہلِ ہند کی اور اہلِ ہند نے اہلِ اسلام کی اکثر باتیں اختیار کر لیں۔ یہ ایسی مثال ہے جیسے پارسیوں کی قوم نے ایران کے لحاظ سے ایرانی، ہندوستان کے خیال سے ہندوستانی اور حکّامِ وقت کی وجہ سے انگریزی، بہت سی رسمیں، قاعدے اور طریقے اپنے ہاں جاری کر لیے ہیں۔ علیٰ ہذا انگریزوں نے ہندوستان کی اور ہندوستانیوں نے انگریزوں کی بعض بعض رسوم کو اپنے ہاں ملانا شروع کر دیا ہے۔ تیسرا سبب یہ

---

[1] قرآن کی اخیر سے تیسری سورۃ کا نام ہے، جس میں خدا کی وحدانیت بیان کی گئی ہے۔

ہے کہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہِ ہند نے چونکہ استحکامِ سلطنت واز دیاد ارتباط و موانست کی غرض سے ہندی عقائد و مراسم کو اختیار کر لیا تھا اور اس کا یہاں تک رواج ہو گیا تھا کہ اب اس اخیر وقت میں بھی جو شہزادہ تخت کا حقدار خیال کیا جاتا تھا وہ آدابِ تختِ ہند کے پاس و لحاظ سے ختنہ نہیں کراتا تھا اور دیگر سلاطین یعنی بادشاہ کے وہ خاندانی جن کے ورثہ میں تخت نشینی نہیں آسکتی تھی، حسبِ شریعت ختنہ کراتے تھے، بلکہ شاہ عالم کے وقت سے توسلونوں[۱] میں راکھی باندھنا، ہولی، دیوالی، دسہرے کا تہوار منانا دہلی کے شاہی خاندان میں ایک عام دستور ہو گیا تھا جس کا حال بشرطِ موقع ہم اس خاندان کی رسموں کے ذکر میں مفصل بیان کریں گے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ اکبر بادشاہ نے چونکہ عقد و مناکحت کا سلسلہ راجپوتوں سے جاری کر دیا تھا اور وہ سب کے سب اقوامِ ہند سے تھے لہٰذا ہندی رسمیں برابر جاری رہیں۔ چنانچہ بیوی کی صحنک جو مسلمانوں کی عورتوں میں آج تک بڑی شدّ و مد سے ہر ایک تقریب میں جاری ہے، یہ خاص جودھا بائی کا ایجاد ہے جس کا حال ہم نے اپنی کتاب "فرہنگِ آصفیہ" میں لکھا ہے اور ان رسموں میں بھی شادی کے موقع پر اس کا ذکر آجائے گا۔

بچّہ مسلمان کے گھر پیدا ہوتا ہے گیت کرشن جی کے جنم یا اُن کی مناسبت کا گایا جاتا ہے، جیسے :-

---

۱ ان رسموں کی وجہ یہ ہے کہ جب عالمگیر ثانی، غازی الدین خاں کی ترکیب سے کوٹلہ میں قتل کیا گیا اور اس کی لاش کو ایک ہندنی بڑھیا نے شناخت کر کے شاہ عالم کو خبر پہنچائی تو شاہ عالم نے اسے بہن بنا کر ہندی رسمیں اختیار کیں، جو بہادر شاہ کے زمانے تک برتی گئیں، مگر بنیاد جلال الدین اکبر نے ڈالی دی تھی۔

البیلی[۱] جچا[۲] مان کرے نندلال[۳] سے
سہاگن جچا مان کرے نندلال سے

یا:

البیلے نے مجھے درد دیا   سانولیا نے مجھے درد دیا

(اس جگہ نندلال اور سانولیا دونوں سے کرشن جی مراد ہے)۔ اسی طرح بیاہ مسلمان بچّے کا ہوتا ہے اور محفل میں گیت ہندوانی رسم کا گایا جاتا ہے، جیسے:

آؤ مورے[۴] ہریالے بنرے[۵] کنگنا میں باندھوں کر بیچ تیرے

پس ان وجوہ سے اہلِ ہند کی تمام رسموں اور اکثر عقائد نے مسلمانوں میں اپنا سکہ بٹھا دیا۔ اگرچہ علماے مذہب نے ان رسموں کے اٹھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مگر چونکہ گھر کے اندر کی بلا اور گھٹ میں بیٹھی ہوئی دوا اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ کچھ بھی پیش رفت نہ گئی، گو خاص خاص لوگوں میں کسی قدر کمی ہو گئی۔ اور یہ خاص خاص اصحاب ان رسموں یعنی گھر کے اندرونی بھیدوں کو پابندِ شرع ہو کر بخوفِ خجالت اس قدر چھپانے

---

۱ وضعدار ۲ مزاج کرنا، اترانا ۳ کرشن جی کیونکہ آپ کو نند مہر نے پالا تھا جنہیں نند بابا بھی کہتے ہیں :-

۴ سبز بخت و خوش نصیب ۵ وہ کلاوے کا ڈورا جو پھیروں کے وقت دولہا کی داہنی کلائی میں باندھا جاتا ہے۔ نیز وہ پوٹلی جس میں اسبند اور گیندے کی کھال یا لوہے کا چھلا، سپاری، ہلدی وغیرہ رکھ کر دولہا کے ہاتھ میں لگن کے دن باندھتے ہیں۔

لگے کہ گویا یہ باتیں بالکل بے اصل اور لغو ہیں مگر ہم نے اس امر کی کچھ پروا نہ کی، جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا، کانوں سے سُنا اور خود برتا ہے، اُسے صاف صاف ظاہر کر دیا۔ اس میں کوئی مانے یا نہ مانے ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں۔

سیّد احمد دہلوی

بچّہ پیدا ہونے کی رسمیں

ایامِ حمل کی علامتیں

عورتوں میں مشہور ہے کہ آغازِ حمل میں اوّل اوّل سر چکراتا، ہاتھ پاؤں ٹوٹتے، سُستی اور کاہلی چھا جاتی ہے۔ دن بھر سونے یا پڑے رہنے کو جی چاہتا ہے، اُبکائیاں آتیں اور جی متلایا کرتا ہے، گوشت سے نفرت ہو جاتی ہے بلکہ کوئی چیز کھٹے، میٹھے اور چٹپٹے کے سوا پسند ہی نہیں آتی۔ چنانچہ اسی سبب سے یہ ایک محاورہ ہو گیا ہے کہ ان کا کھٹے میٹھے کو جی چاہتا ہے، یعنی حاملہ ہیں۔ مٹی کی ٹکیاں، کوئلے، ملتانی مٹی، چولھے کی بھنٹ پر بہت جی چلتا اور اسے حاملہ عورت کثرت سے کھاتی ہے جس سے دردِ کمر وغیرہ کے بعض مرض لاحق ہو جاتے ہیں اور یہ مٹی مولود کے جسم پر لپٹی ہوئی نکلتی ہے۔

ان علامتوں کو پاؤں بھاری ہونے، دوجیا ہونے، دن چڑھنے پیٹ رہنے، اُمید ہونے کے الفاظ سے تعبیر کرتی اور آپس میں مبارک سلامت شروع کر دیتی ہیں۔

ستوانسا

جب ساتواں مہینہ شروع ہوتا ہے تو میکے والے سدھوڑے کر آتے ہیں۔

سدھوڑ[1] چونکہ ہندی میں سات چیزوں کو کہتے ہیں اور اس میں سات طرح کی ترکاریاں ، میوے ، پکوان وغیرہ ہوتا ہے ، اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا ۔ یہ رسم ہندوؤں سے لی گئی ہے ۔ شہانے وقت یعنی سہ پہر کو دوجیا عورت کی گود بھری جاتی ہے ۔ پہلے اُسے نہلاتے ، رنگین پوشاک بدلواتے ، لال دوپٹہ اڑھاتے ، پھولوں کا گہنا پہناتے ، نئے سر سے دلہن بناتے ، پھر اُس کی گود میں نندیں کھانے کی سات[2] ترکاریاں ، میوہ ناریل ، دولہا کی بہنوں کے نیگ کے روپے وغیرہ ڈال دیتے ہیں ۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کی گود بال بچوں سے ہری بھری رہے اور اس کو اچھا پھل ملے ۔

گود کی ترکاری ، میوہ ، اوڑھنی اور نیگ کے روپے دولہا کی بہنیں لے لیتی ہیں اور باقی اوروں کو تقسیم کردی جاتی ہیں ۔ جب نیگ بٹ جاتا ہے تو بہنیں تقسیم کرنے کے واسطے ناریل توڑتی ہیں ۔ اگر اس کی گری سفید نکلی تو کہتی ہیں اُجلا پھل یعنی بیٹا ہوگا ۔ عورتوں نے اس ناریل کا نام بھی اُس کے ریشوں کے سبب جھنڈولا رکھ لیا ہے اور مولود کو بھی اس کے بالوں کے باعث جھنڈولا کہنے لگے ہیں ۔ ہندی گیتوں میں ہولر اور جھنڈولا ترت کے بچّے کے واسطے آتا ہے ۔

نوماسا

جب نواں مہینہ شروع ہوتا ہے تو دلہن کے میکے سے دلہن کا جوڑا ، کنگھی ، مسّی ، عطر ، پھول ، چاندی کی سہرنی ، تیل کی نقرئی پیالی ، لال اوڑھنی اُس میں سات رنگ کا میوہ ، بہنوں کا نیگ ، پنجیری[3] کے روپے بھیجے جاتے

[1] بعض خاندانوں میں پانچویں مہینہ سدھوڑ لے جاتے ہیں ۔

[2] کھانے کے پھلوں سے مراد ہے ، جیسے امرود ، کیلے وغیرہ ۔ [3] روے یعنی سوجی کو گھی (بقیہ صفحہ ٦٥ پر)

ہیں ۔ سسرال والے پنجیری بناتے اور سب کو بانٹتے ہیں ۔ سسرال کے پاس پاس کے لوگ یعنی قریبی رشتے کی عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ستوانسے کی طرح گود بھری جاتی ہے ۔ بعض لوگ ستوانسے کو ، بعض نوماسے کو گود بھرتے اور ایک ہی رسم ادا کرتے ہیں یعنی ستوانسا یا نوماسا ایک ہی رسم کافی سمجھتے ہیں ۔

اس موقع پر دائی پیٹ پر تیل لگاتی ہے ۔ اور اس تیل ملوائی کا حق اس کو سب عورتیں مل کر دیتی ہیں ۔ گود کا میوہ ، نیگ کے روپے اور اوڑھنی دولہا کی بہنیں لے لیتی ہیں ۔ سہرنی اور تیل کی پیالی دائی کو مل جاتی ہے ۔ اس کے بعد دلہن پانوں پھیرنے[1] میکے چلی جاتی اور سسرال سے پنجیری ساتھ لے جاتی ہے ۔ اور آتے وقت میکے سے ترکاری اور مٹھائی کے خوان ہمراہ لاتی ہے ۔

جب نوماسا ہو چکتا ہے تو دائی کو نوکر کے ساتھ کر کے کیوکا ، یعنی جننے کا سامان منگایا جاتا ہے ۔ کیوکے میں گوند ، مکھانے ، چھہارے ، بادام ، سونف ، اجوان ، کھوپرا ، گھی ، کھانڈ ، گھٹی ، کاڑھا وغیرہ یہ چیزیں ہوتی ہیں ۔ کاڑھا[2] جس میں ہڑ ، بہیڑا ، آملہ ، گلی چھالیہ وغیرہ ڈالتے ہیں ، جوش کر کے زچّہ کی آبدست کے کام آتا ہے ۔ کنواریاں پیٹ صاف ہونے کی غرض سے اس کے دو چار گھونٹ پی بھی لیتی ہیں ۔ نوماسا کے بعد سے دائی یہیں سونے لگتی ہے ۔

(بقیہ صفحہ ٦٤ سے آگے) بھن بھون کر کھانڈ چھہارے[1] ، گوند[2] ، مکھانے[3] ، کھوپرے[4] ، سونٹھ[5] کو ملا کر پنجیری بنا دیتے ہیں ۔ ساتھ ہی گوند اور مکھانے بھی گھی میں بھون لیے جاتے ہیں ۔ بڑی پانچ چیزوں کے سبب جن پر ہندسے لکھے ہوئے ہیں یہ نام ہوا ۔

[1] نقل مکان یعنی بدلنا مکان ، تبدیل مکان [2] چونکہ اس کی دوائیاں جوش کی جاتی ہیں ، اس وجہ سے اس کا نام کاڑھا رکھ دیا گیا ۔

جس وقت درد لگتے ہیں یعنی دردِ زہ شروع ہوتا ہے تو زچّہ کے پلنگ کا سرہانا جانبِ شمال اور پائنتی جانب جنوب کر دیتے ہیں ۔ بظاہر تو مشہور ہے کہ اس عمل سے جننے میں آسانی ہو جاتی ہے ۔ مگر اصل غرض یہ ہے کہ جننا اور مرنا برابر ہے ۔ جس رُخ سے مردے کو قبر میں لٹاتے ہیں اسی طرح گویا زچّہ کو قبر کا مُنہ جھنکاتے اور اُس کے صحیح سلامت و فارغ ہو جانے کی دعا مانگتے ہیں ۔ چنانچہ ایسے موقع پر عورتیں کہا کرتی ہیں کہ سلامتی سے جب اپنے ہاتھ پاؤں سے چھوٹے اور پلنگ کو لات مار کر کھڑی ہو جب جانیں ۔

اس موقع پر قریبی رشتہ دار عورتیں جمع ہو جاتی ہیں اور ماں تو ضرور ہی آجاتی ہے ۔ کوئی انگنائی میں آسمان کے نیچے کھڑی ہو کر گود پھیلا کر اوپر دیکھ دیکھ کر دعائیں مانگتی ہیں کہ الٰہی ! اس کی مشکل آسان ہو ۔ کوئی مشکل کُشا کا دوٗنا[1] مانتی ہے ۔ دائی اوپر والیوں سے بار بار کہتی ہے جھیلی دو جھیلی ۔ کوئی جھیلی دیتی ہے (جھیلی ایک قسم کا اوپر سے نیچے کو سوتنا ہوتا ہے جس سے بچّہ کھسک کر جلد باہر آجاتا ہے) ۔ غرض خدا خدا کر کے نونہال پیٹ سے باہر قدم رکھتا اور آتے ہی رونے لگتا ہے ۔ اکثر تو بچّہ سر کے بل پیدا ہوتا ہے ۔ اور کبھی کبھی پاؤں کے رخ سے بھی باہر نکلتا ہے ۔ ایسے بچّے کو پائل کہتے ہیں ۔ اور یہ مشکل سے پیدا ہوتا ہے ۔ عورتوں کا اعتقاد ہے کہ اگر کسی کی پیٹھ میں درد ہو اور پائل بچّے سے اس کی کمر میں لات لگوائی جائے تو کمر کا درد بالکل جاتا رہتا ہے ۔ جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے تو زچّہ سے کہتے ہیں کہ کانڑی بیٹی پیدا ہوئی ۔ تاکہ اس غم کی گرمی سے آنول نال جلد نکل آئے اور خوشی کے سبب اخراج میں دیر نہ ہو جائے ۔

بچّے[2] کے پیدا ہوتے ہی پہلے اُس کے نال کو کلاوے سے باندھ کر پھر چاقو سے کاٹ

---

[1] مشکل کشا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور دوٗنا اُن کی نیاز کی شیرینی سے مراد ہے جو بازار سے دوٗنے میں آتی ہے ۔ [2] امیروں ، نوابوں ، بادشاہوں ، شہزادوں میں ہندوؤں کے دستور (بقیہ صفحہ ۶۷ پر)

دیتے اور کلاوہ گردن میں لٹکا دیتے ہیں ۔ کٹا ہوا نال تو ضرور ہی گھر میں گاڑا جاتا ہے ۔ مگر جس عورت کے بچّے نہیں جیتے وہ گھر سے باہر بھی دبوا دیتی ہے ۔ کہتے ہیں جس جگہ نال گڑتا ہے مولود کو اس جگہ سے دلی اُنس اور تعلق ہوتا ہے ۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی مقام یا مکان کو چھوڑنا نہ چاہے تو کہتے ہیں کہ یہاں تیرا نال تو نہیں گڑا جو تو جانے کا نام ہی نہیں لیتا یعنی تیرا کچھ دعویٰ یا حق یا اجارہ تو نہیں ہے ۔

اس وقت دائی کو نال کٹائی یعنی انعام کے روپے امیروں میں سونے چاندی کے کڑے حسبِ حیثیت دلہن کی سسرال اور میکے کی طرف سے دیے جاتے ہیں ۔ جس ٹھیکرے میں آنول ڈالتے ہیں اس میں پہلے پان اور چاندی رکھ دیتے ہیں ۔ اور جب ٹھیکرا زمین میں گاڑتے ہیں تو اس میں ہلدی اور کوئلہ ٹوٹکے کے لیے ڈال دیتے ہیں ۔ تاکہ پرچھانواں نہ پڑے یعنی آسیب کا اثر نہ ہو ۔ رشتے کی عورتیں اس ٹھیکرے میں حسبِ مقدور دو دو چار چار آنے ڈال دیتی ہیں ۔ یہ بھی دائی کا حق ہوتا ہے ۔ آنول نال کا ٹھیکرا دفن کر دیا جاتا ہے ۔

جب بچّہ پیدا ہوتا ہے تو پہلے اسے نہلاتے ہیں ۔ پھر سر کو چاروں طرف سے دبا کر گول کر دیتے ، قصابہ[1] باندھ دیتے اور ناک کو ابھار دیتے ہیں تاکہ ہوا لگ کر بے ڈول نہ رہ جائے ۔ بچّے کے گلے میں کرتہ سر پر ٹوپی پہناتے اور زچہ کے پیٹ سے پٹی باندھ دیتے ہیں تاکہ اس کا پیٹ بڑھ نہ جائے ۔ اسی وقت ملّا کو اذان دینے کا انعام ملتا اور کنبے میں پان بتاشے تقسیم ہوتے ہیں ۔ نہلانے کے بعد پہلے بچّے کو شہد چٹاتے اور پھر گھٹی پیٹ صاف ہونے کی غرض سے پلاتے ہیں ۔ جس کے اجزا یہ ہیں : گھٹی :- چھوٹی بڑی ہڑ ، منقّٰی ، باؤبڑنگ

(بقیہ صفحہ ۶۶ سے آگے) کے موافق اس وقت زائچۂ مولود یعنی جنم پترا بھی نجومی سے ٹھیک وقت بنا کر بنواتے ہیں ۔

[1] قصابہ سر سے باندھنے کا سموسہ نما رومال ۔

باؤ کھمبہ، عناب، سونف، گلاب کے پھول، گلاب کا زیرہ، نرکچور، انارکلی، املتاس، مصری بعض لوگ بڑی چھوٹی ہڑ کی بجائے بادام اور اجوائن ڈالتے ہیں۔ اور اگر گرمی کا موسم ہوتا ہے تو نرکچور اور اجوائن نکال لیتے ہیں۔ گھٹی کے بعد یعنی تیسرے روز اس طرح دودھ پلاتے ہیں کہ اوّل پھپھی آٹے کے دودھ[1] سے جس میں سبز دوب پڑی ہوئی ہوتی ہے، چھاتی دھلاتی ہے اور پھر بالوں کی لٹ، جس کا اسے نیگ ملتا ہے۔ چنانچہ دولہا کی بہن کی طرف سے ایسے موقع پر یہ گیت گایا جاتا ہے:

بیرن بھیا میں تیری ماں جائی — ہولر سن کر بدھاوا لے کر آئی

بیرن بھیا میں تیری ماں جائی

چھاتی دُھلائی کٹوری لونگی تو لٹ دُھلائی رپیا

پانوں دُھلن کو چیری لونگی تو خصم چڑھن کو گھوڑا

اس گیت کا مطلب یہ ہے:

کہ بھائی میں تیری ہی ماں کی بیٹی ہوں۔ بچّے کی خبر سن کر مبارک باد دینے آئی ہوں۔ چھاتی دھلائی کا نیگ چاندی کی کٹوری لوں گی تو زچّہ کی لٹ دُھلانے کا روپیہ۔ اپنے پاؤں دھلوانے یعنی خدمت لینے کے واسطے لونڈی لوں گی تو خاوند کے چڑھنے کے لیے گھوڑا، کیونکہ میں تیری سگی بہن ہوں۔ میرا آج لینے ہی کا حق ہے۔

غرض چھاتی اور لٹ دھلانے کے بعد بتاشے کا روا پہلے بچّے کے منہ میں پھونکتی بعد میں چھاتی منہ میں دے دیتی ہے۔ بتاشہ ذائقہ پیدا کرنے کی غرض سے دیا جاتا ہے اور

---

[1] آٹے کا دودھ اس وجہ سے استعمال کیا جاتا ہے کہ دودھ کے پھینکنے میں بے ادبی خیال کی جاتی ہے اور یہ درخت کی جڑ میں یوں ہی ڈال دیا جاتا ہے۔

دودھ چوسنے کی عادت ڈالنے کے لیے شروع کرا دیا جاتا ہے۔ اس وقت پھپھی کو حسبِ حیثیت اس رسم کا نیگ دیا جاتا ہے۔ جس کا اقل درجہ سوا روپیہ ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اول دن شہد، دوسرے دن گھٹی، تیسرے روز دودھ پلایا جاتا ہے تاکہ بچّہ دودھ پینا اور چھاتی کو منہ سے دبانا سیکھ جائے۔ جب سے بچّہ پیدا ہوتا ہے زچّہ کے سرہانے چاقو یا چھری یا تلوار خواہ لوہا ضرور رکھا جاتا ہے، اس لیے کہ بھوت پریت کا اثر نہ ہونے پائے۔ اسی روز دولہا کی بہنیں اچھوانی بنا کر سب میں تقسیم کرتی اور اس کا نیگ لیتی ہیں۔ غریبوں میں صرف زچّہ کو پلاتے ہیں۔ اچھوانی ایک قسم کا شیرہ ہوتا ہے۔ جس میں اجوائن کا عرق نکال کر کڑکڑاتے گھی میں ڈال دیتے ہیں اور اوپر سے کھانڈ کا شیرہ چھوڑ دیتے ہیں۔ جب وہ پک جاتا ہے تو سونٹھ ڈال کر زچّہ کو پلاتے ہیں۔ مگر اب مسلمانوں میں اجوائن کی بجائے عناب کا شیرہ پکا کر اچھوانی بنانے لگے ہیں۔ اچھوانی اصل میں اجوانی تھا۔ زچّہ کو تین وقت اچھوانی، دو وقت گوند، تیسرے روز مکھانے ناتوانی دور ہونے کی غرض سے کھلاتے ہیں۔ یہ دوا کی دوا ہے، غذا کی غذا۔ یہ سب چیزیں گھی اور کھانڈ سے تیار کی جاتی ہیں۔ جن عورتوں کو مٹھاس سے نفرت ہوتی ہے، ان کے واسطے کھانڈ کی بجائے کالی مرچوں سے بنا دیتے ہیں۔

جس روز بچّہ پیدا ہوتا ہے۔ زچّہ کو رات بھر سونے نہیں دیتے اور نہ کروٹ لینے دیتے ہیں تاکہ خون سستا نہ جائے، یعنی اس کی حرکت سُست نہ ہو جائے۔ اسی غرض سے رات بھر جچّا گیریاں گائی جاتی اور عورتیں جاگتی رہتی ہیں۔ چھ روز تک زچّہ کے پلنگ کو اکیلا نہیں چھوڑتے جس سے بچّے اور زچّہ کی حفاظت، کروٹ اور بدروحوں سے مقصود ہوتی ہے۔ رات بھر چراغ جلتا رہتا ہے۔ امیروں میں چالیس روز تک، غریبوں میں چھ روز تک برابر روشنی رکھتے ہیں۔ انگیٹھیاں ہر وقت روشن رہتی ہیں۔ اور ان میں کالا دانہ یعنی اسپند نظرِ بد کے دفعیہ اور ہوا کی صفائی کی غرض سے

چھٹی تک جلایا جاتا ہے۔ چھ روز تک باری باری سے عورتیں جاگتی اور زچہ گیریاں گاتی رہتی ہیں۔ چنانچہ ایک آدھ زچہ گیری لکھی جاتی ہے :

جچاگیریاں

میرے بابل کو لکھو سندیس جھنڈولا آج ہوا

باپ — خبر — لڑکا

بابل ہمارے راجا کے چاکر بیرن بالے بھیس

بھائی بچہ ہے روپ

جھنڈولا آج ہوا

اس گیت کا مطلب یہ ہے کہ میرے ابا کو یہ خبر بھیج دو کہ آج تمہاری بیٹی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ میرے ابا کا پتا یہ ہے کہ وہ راجا کے نوکر یعنی امیر اور عزت دار آدمی ہیں، اور بھائی ابھی یانا ہے۔

دیگر

آج جنم لیا میرے راج دُلارے نے پالنا بناؤں گی

ری پالنا بناؤں گی

گھی کھچڑی بھیجی بابل جب رنگ سگھڑ

جچا کو میں تارے دکھاؤں گی

ری پالنا بناؤں گی

اس گیت کا مطلب یہ ہے کہ آج راج کے پیارے بچے یعنی میرے شہزادے (کنور) نے جنم لیا ہے میں اس کے آرام اور سونے کے واسطے ہنگورا بناؤں گی میرے باوا نے یہ خبر سُن کر مجھ زچہ کے واسطے گھی اور کھچڑی بھیجی ہے۔ کیونکہ یہی زچہ کو ملا کرتی ہے۔

گیت بنانے والا کہتا ہے کہ میں اس باسلیقہ زچہ کو تارے دکھاؤں گا۔ یعنی چھٹی کی رسم رچاؤں گا۔

دیگر

جچا میری کاہیکو روٹھی میں تیرا عطر کھلونا ری

کہو تو جچا رانی دائی کو بلا دوں

کہو تو کونے پلنگ بچھا دوں

کہو ننھئی ننھئی ناچوں

جچا میری کاہیکو روٹھی میں تیرا عطر کھلونا ری

سونٹھ میں بھول آیا اب لادوں گا ری

ہاتھ میں کونڈی بغل میں سونٹا لایا ری

سونٹھ بھول آیا ری

جچا میری کاہیکو روٹھی میں تیرا عطر کھلونا ری

تیرے ہو لڑکا نوکر اے بیگم میں تیرا نوکر تیرا چاکر ری

سونٹھ بھول آیا ری

جچا میری کاہیکو روٹھی میں تیرا عطر کھلونا ری

مطلب یہ ہے : یہ عجیب ظریفانہ ... ری ہے۔ خاوند کی طرف سے بنائی اور گائی جا رہی ہے۔ خاوند کہتا ہے کہ میری جچا تو مجھ سے کیوں روٹھ گئی، میں تو تیرا مہکتا ہوا کھلونا ہوں۔ دائی جنانے کی ضرورت ہے تو اسے بلا دوں، پلنگ کی حاجت ہے تو کونے میں پلنگ بچھا دوں۔ یوں بھی خوش نہیں تو ننھئی ننھئی ناچوں اور تجھے خوش کر دوں۔ میرا یہ قصور ہے کہ زچہ خانے کی سونٹھ لانی بھول گیا۔ سو اب لپک کے لائے دیتا ہوں۔ ہاتھ کونڈی سے رکا ہوا تھا۔ بغل سونٹے سے (یعنی کونڈی سونٹا بھی

تیری ہی چیزوں کو پیسنے کے واسطے لایا تھا) رکی ہوئی تھی - اس سبب سے مجبور تھا - بیگم میں تیرے بچّے کا نوکر تیرا نوکر اور تیرا ہی چاکر ہوں تو کیوں ناراض ہے بیشک سونٹھ میں بھول آیا ہوں -

دیگر

البیلے نے مجھے درد دیا سانولیا نے مجھے درد دیا

پائیلیا نے درد دیا

جائے کہو لڑکے کے باوا سے اونچی نوبت دھرلاؤ رے

البیلے نے مجھے درد دیا پائیلیا نے مجھے درد دیا

جائے کہو لڑکے کے نانا سے رنگ بھری کھچڑی لاؤ رے

البیلے نے مجھے درد دیا پائیلیا نے مجھے درد دیا

جائے کہو لڑکے کے ماموں سے ہنسلی کڑے گھڑاؤ رے

البیلے نے مجھے درد دیا پائیلیا نے مجھے درد دیا

جائے کہو لڑکے کی خالہ سے کرتے ٹوپی لاؤ رے

البیلے نے مجھے درد دیا پائیلیا نے مجھے درد دیا

جائے کہو لڑکے کے باوا سے بھانڈ بھگتیے نچاؤ رے

البیلے نے مجھے درد دیا پائیلیا نے مجھے درد دیا

مطلب یہ ہے ——— کہ دُبلے پتلے، چھیل چھبیلے، البیلے، سانولے نے اپنا جلوہ دکھانے اور دنیا میں آنے کے سبب مجھے دردِ زہ کی تکلیف دی ہے، لڑکے کے باوا کو خبر کردو کہ اس خوشی میں کوٹھے پر نوبت دھرائے، نفیری بجوائے، کیونکہ میری تکلیف کی اسی خوش وقتی کی جھنگڑ جھنگڑ آواز سے تلافی ہو گی -

لڑکے کے نانا نانی سے جاکر کہہ دو کہ دھوم دھام کی کھچڑی لانے کا سامان کریں، کیونکہ چھٹی تمہاری ہی طرف سے دی جاتی ہے

لڑکے کے ماموں سے جتنا دو کہ ہنسلی اور کڑے ماموں ہی کی طرف سے دیے جایا کرتے ہیں تم بھی تیار کر لو -

لڑکے کی خالہ کو بھی آگاہ کر دو کہ کرتے اور ٹوپی کا فکر کریں کیونکہ یہ سامان تمہاری ہی طرف سے آیا کرتا ہے -

لڑکے کے باوا کے کان میں یہ بات بھی ڈال دو کہ چھٹی کو بھانڈ اور بھگتیے اس خوشی میں تمہیں نچانے پڑیں گے -

یہ گیت تو موجودہ رسموں کے موافق ہے مگر اس کی ابتدا تیمناً و تبرکاً اسی طرح پر ہے کہ گویا کرشن جی نے جنم لیا ہے اور دیوکی جی اُن کی والدہ صاحبہ یہ فرما رہی ہیں -

(ان گیتوں کے لفظوں، خیالوں اور ڈھنگوں سے صاف ہندوانی رسموں اور عقیدوں کا ثبوت ملتا ہے) -

زچّہ کا پہنا ہوا جوڑا جب ہی اور نیا جوڑا چھٹی یا چلّے کو دائی لے جاتی ہے - پہلے دستور تھا کہ جس کروٹ بچّہ پیدا ہوا اس طرف کے کان کی لو چھدوا دیتے تھے، جس سے غرض یہ ہوتی تھی کہ بچّہ زندہ رہے گا - عورتوں کا خیال تھا کہ کان میں کوئی رگ ایسی ہوتی ہے کہ اگر اسے چھید دیا جائے تو بچّے کو ضائع کرنے والا مرض غالباً ام الصبیان نہ ہو بلکہ اسی غرض سے ناک کا بانسا بھی اسی روز چھید کر بلاق پہنا دیا کرتے تھے - اب یہ دستور جاتا رہا، شاذونادر جاہلوں میں پایا جاتا ہے -

جس روز بچّہ پیدا ہوتا ہے "نکٹی" یعنی بلّی کو زچّہ خانے میں نہیں آنے دیتے کہ اس کے اندر جن ہوتا ہے - مگر اصل بات یہ ہے کہ بچّے کا نال توڑ کر لے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے - چھٹی یا چلّے تک بلّی کی روک ٹوک رہتی ہے -

یہ بات بھی ذکر کرنے کے قابل ہے کہ ایک ہیجڑا روز ہر ایک محلے میں جاکر یہ آواز

لگاتا ہے کہ " ہوا بیٹا کون سا گھر جا گا " اس محلے کے لڑکے یا حلال خوری بتا دیتی ہے کہ فلاں شخص کے ہاں لڑکا یا لڑکی ہوئی ہے - وہ اس گھر پر جاتا، لڑکی کا ایک ٹکا اور لڑکے کا ایک آنہ لے جاتا اور تمام بھانڈ بھنڈ بیلوں وغیرہ میں خبر کر دیتا ہے - اب شہر کے بھنڈ بیلے زنانے، ہیجڑے شاہ ٹیم ٹیا چونے والیاں - بھانڈ بھگتیے آنے شروع ہو جاتے ہیں - ایک ایک دو دو گھنٹے گا کر اور اپنا انعام لے لوا کر چلے جاتے اور چھٹی کے موقع پر پھر آن براجتے ہیں جس کا ذکر اُس موقع پر بھی آئے گا -

چھٹی

جننے کے چھ روز بعد زچہ اور اس کے بچے یعنی جھنڈ ولے کو بدھ یا پیر[1] کے روز چھٹی نہلائی جاتی ہے - جب زچہ چوکی پر نہانے بیٹھتی ہے تو نندیں یعنی دولہا کی بہنیں زچہ کے سر میں آٹے کا دودھ جس میں ہری دوب کی پتی یا پان کی کرچ پڑی ہوئی ہوتی ہے، ڈالتی اور اپنا نیگ لیتی ہیں - زچہ نہا دھو بچے کو گود میں لے، ناک میں نتھ پہن، چوکی سے اُترتی اور اپنے پلنگ پر آ کر بیٹھتی ہے - مہمان بھرنے شروع ہو جاتے ہیں - یہ مہمانی زیادہ تر عورتوں کی ہوتی ہے - مردوں کا اس میں بلاوا نہیں دیا جاتا - ہاں امیروں میں قریبی رشتے کے مردوں کو بھی بلا لیتے ہیں - باہر ناچ رنگ ہوتا ہے - باری باری سے ہیجڑے، بھانڈ، شاہ ٹیم ٹیا اور کنچنیاں اپنا اپنا ناچ دکھاتی ہیں - گھر میں ڈومنیاں، چونے والیاں اپنا رنگ جماتی ہیں - زچہ سر سے زرق برق سنہری پٹی باندھ اور بچے کے سر کو قصابے سے مزین کر رانی یا شہزادی بنی ہوئی بیٹھتی ہے - مبارک بادیاں

---

[1] بدھ کا روز اس وجہ سے کہ سب کام سدھ اور بیٹا ہی پیدا ہو اور پیر کا روز اس واسطے کہ مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا مبارک دن ہے -

گائی جاتی ہیں -

کوئی گاتی ہے :

جمی جم شادیاں مبارکبادیاں ہوئیں[1] فرزند سلامت بادیاں

یعنی یہ خوشی ہمیشہ مبارک ہو بلکہ مع فرزند سلامت ہو

کوئی الاپتی ہے :

لو رنگ چوڑے والیاں میری چچا رانیاں
سو ہا جوڑا پہن سہاگن موتی بھری مانگ
لو رنگ چوڑے والیاں

مطلب : یعنی ہماری چچا رانی رنگ برنگ کے جوڑے سُرخ جوڑے والی سہاگن اور موتیوں بھری مانگ والی دلہن ہے

تیسرے پہر میکے سے چھٹی یعنی چھوچھک آتی ہے - امیروں کے ہاں باجے گاجے سے، متوسط لوگوں کے ہاں ظاہری سوبھا اور صوفیانہ ٹیپ ٹاپ یا صرف روشن چوکی سے - چھٹی میں سونے خواہ روپے کی ہنسلی، کڑے، بچے کے گھنگرو، چاندی کے چھٹے بٹے، چسنیاں، جھنجھنے، سونے کی دال، چاندی کے بنے ہوئے چاول، کرتے، ٹوپیاں، پوتڑے، دوہریں، سوزنیاں کشتیوں میں سجی ہوئی چھوٹے برتنوں کے خون چنے ہوئے، گھی کے ہنڈے، مرغوں کی کھانچیاں، عقیقے کے بکرے، اُن پر گوٹے کناری کی جھولیں پڑی ہوئی، سینگوں پر چاندی کی سنگوٹیاں چڑھی ہوئی - اگر میکے والے نواب یا شہزادے ہوئے تو ہاتھیوں پر چاندی کا پنگورا ورنہ کہاروں کے کندھوں پر ہنڈولنا - سروں پر بچے کی پلنگڑی، مونگ چاولوں کی بوریاں

---

[1] مع ۱۲ -

بھی ہوتی ہیں۔

لڑکے کے ماموں کی طرف سے ہنسلی، کڑے، خالہ کی طرف سے کرتے ٹوپی دینے کا بھی آج ہی کا دستور ہے۔

عقیقہ[1]

دو گھڑی دن رہے مردانے میں عقیقہ یعنی مونڈن ہوتا ہے۔ نونہال کو باہر لاتے ہیں۔ مبارک نام رکھا جاتا ہے۔ کوئی قرآن کے حرفوں سے نام رکھتا ہے، کوئی تاریخی نام نکالتا ہے، کوئی دادا پردادا کے نام پر نام تجویز کرتا ہے، کوئی مناسبتِ وقت سے

۱؎ عقیقہ۔ اس کے لغوی معنی مولود کے سر کے بال جو پیٹ سے لیے پیدا ہو، اصطلاحی ساتویں روز بچّے کا نام رکھ کر اُس کا مونڈن کرنا، نام مقرر کرنے کی دعوت، نیز آسمان کی طرف تیر چلانا، اخیر معنی سے اس رسم کا پتا بھی چلتا ہے جسے مرگ مارنا کہتے ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ یہ رسم ہندوؤں سے نہیں لی گئی یا لی گئی تو دونوں کا ایک اتفاقی اتحاد ہے۔ ہاں مونڈن اور عقیقے کی رسم میں معناً ایک ہی بات پائی جاتی ہے۔ عقیقے کی سنّت پیغمبر آخر الزماں ؐ کے زمانے سے جاری ہوئی۔ آپ نے اپنے نواسوں کا ساتویں روز عقیقہ کیا اور قربانی کا گوشت تقسیم فرمایا بلکہ بعد از حصول رسالت اپنا بھی عقیقہ کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولود کے ساتویں روز ہی اس کا کرنا کچھ ضروری امر نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رح تو سرے سے اس پر زور ہی نہیں دیتے۔ عقیقے کی قربانی مولود کی سلامتی کا صدقہ ہے جو جسم کی عوض جسم اور روح کی عوض روح دی جاتی ہے۔ چونکہ صدقے کا کھانا جو شخص صدقہ دے اسے اُلٹا اپنے تصرّف میں لانا درست نہیں، اسی خیال سے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی عقیقے کا گوشت نہیں کھاتے۔

موزوں نام مقرر کرتا ہے۔ نام تجویز کرنے کے بعد نائی کو چاندی کا استرا، نہرنی، کٹوری، کمخاب کی لنگی دی جاتی ہے۔ نائی پہلے بال بھگوتا پھر اُسترا سر کو لگاتا ہے۔ بچّے کے بال ایک موٹی سی روئی پر لیتے جاتے ہیں۔ ادھر خاص تراش بچّے کے سر پر اُسترا رکھتا ہے اُدھر قصائی بچّے کا نام لے، بکروں کے گلے پر چھری پھیر دیتا ہے۔ بیٹے کے دو بکرے اور بیٹی کی ایک بکری ہوتی ہے۔ یہ رسم نہیں بلکہ ایک شرعی حکم ہے، جسے بچے کا صدقہ کہنا چاہیے۔ عقیقے کا گوشت ماں، باپ، نانا، نانی، دادا، دادی نہیں کھاتے، اور لوگ کھا سکتے ہیں۔ بالوں کو سونے یا چاندی میں تول کر دھوبن کو دیتے ہیں کہ دریا میں بہا دے۔ اس سونے یا چاندی کا حق دار بھی نائی ہوتا ہے۔ اسی کو دے دیتے ہیں۔ بچّے کے ہاتھ میں سب کنبے والے حسبِ حیثیت نقدی دیتے ہیں۔ یعنی کوئی روپیہ کوئی اشرفی کوئی دونی کوئی چونّی دے دے کر سرک جاتا ہے۔

زچّہ کا تارے دیکھنا

چھٹی کی رات کو دالان کے آگے چوکی بچھاتے، زچّہ اور بچّے کو بناؤ سنگار کراتے، سموسے دار کارچوبی پٹی دونوں کے سر سے باندھتے اور باہر چوکی پر کھڑا کرنے لاتے ہیں۔ زچّہ بچّے کو گود میں لے کر باہر آتی ہے دو عورتیں دونوں پہلوؤں میں ننگی تلواریں لیے ساتھ ہوتی ہیں۔ دائی آٹے کی چومکھ[1] اٹھائے آگے آگے چلتی ہے۔ زچّہ بچّے کو گود میں اور قرآن شریف کو سر پر رکھ کر آسمان کی طرف دیکھتی اور چوکی پر کھڑی ہو کر سات ستارے گنتی ہے۔ اس وقت دونوں تلواروں کی نوک سے نوک ملا کر

۱؎ آٹے کا ایک چراغ چومو ہا بنایا جاتا ہے، اس میں چار بتیاں اور گھی ڈال کر جلاتے ہیں۔

زچّہ کے سر پر قوس بنا دیتے ہیں، تاکہ اوپر سے جن اور پری کا گزر نہ ہو سکے - گویا آج سے جن و پری کے سائے کا خوف دور ہو جاتا ہے - ادھر زچّہ تارے دیکھنے جاتی ہے ادھر لڑکے کا باوا تیر کمان لے کر زچّہ کے پلنگ پر کھڑا ہو جاتا اور پوری بسم اللہ پڑھ چھت میں تیر لگا کر گویا فرضی مرگ[1] مارتا ہے - چنانچہ اس رسم کا نام ہی مرگ مارنا پڑ گیا ہے مرگ مارنے کا نیگ ساس داماد کو دیتی ہے - شاہ نصیرؔ شاعر دہلی نے ایک موقع پر جب کہ بہادر شاہ دہلی کے مشکوے معلّی میں شہزادہ پیدا ہوا تو اس طرح اس رسم کو نظم میں ادا کیا:

وہیں پھر شاہ نے یہ رسم کی واں
چھپر کھٹ پر قدم رکھ ہو کے شاداں
ادا کر حرفِ بسم اللہ سارا
کمان و تیر لے کر مرگ مارا
نمود اس طرح تھا سقف میں تیر
فلک پر کہکشاں کی جیسے تحریر

مطلب --- یعنی جس وقت زچہ تارے دیکھنے گئی تو وہاں بادشاہ نے فوراً خوش ہو کر یہ رسم ادا کی کہ چھپر کھٹ پر چڑھ کر پوری بسم اللہ پڑھ کر کمان اور تیر ہاتھ میں لے کر مرگ مارا - بادشاہ کا تیر چھت میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آسمان پر کہکشاں کی لکیر -

زچہ تارے دیکھ کر پلنگ پر آ بیٹھتی ہے - پلنگ کے آگے دستر خوان بچھایا

---

[1] مرگ ظاہر مرگ سرا یا مرگ راج یعنی شیر کا مخفف ہے بلکہ وہ شیر جو شمالی چھ برجوں میں سے ایک کہلاتا ہے جس سے یہ مراد ہے، کہ گویا بیٹے کا جنوانا شیر مارنے کے برابر ہے -

جاتا ہے چوکی میز کی طرح لگا دی جاتی ہے - اس پر تورہ چنا جاتا ہے - جس میں پکی ہوئی سات ترکاریاں اور مختلف طرح کے کھانے ہوتے ہیں - سات سہاگنوں کے ساتھ مل کر زچہ رانی ذرا ذرا سا چکھ لیتی ہیں - جسے چوبہ چکھانا کہتے ہیں - مبارک سلامت سے کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی - گانا شروع ہو جاتا ہے:

جچا جب دیکھنے کو آئی تارے
ستارے چرخ گردوں نے اتارے
ہوا فرزند یہ سب کو مبارک
کھولڑکے کا باوا مرگ مارے
چھٹی کی دھوم جو پہنچی فلک تک
قمر اور مشتری دونوں پکارے
خدا نے کیا خوشی دونوں کو دی ہے
دمامے بج گئے گونجے نقارے

اس کے بعد زچہ کے آگے کے تورے اور چونک میں روپے ڈال کے دائی کو دیے جاتے ہیں اور خاص قلعے میں تو اس کے ساتھ ایک اور رسم برتی جاتی تھی جسے "بگیر بچہ" کہتے تھے بلکہ دہلی کے اور مغلوں میں ایک ذرا سے فرق کے ساتھ یہ رسم ادا کی جاتی ہے - قلعے میں اس کا یہ قاعدہ تھا کہ سوا پانچ سیر کا ایک میٹھا روٹ زمین لال کر کے اس میں پکاتے اور بیچ میں سے خالی کر کے روٹ کا صرف گردہ رہنے دیتے تھے - اس کے اوپر ننگی تلواریں اور دائیں بائیں تیر باندھ کر اٹکا دیتے ہیں، سات سہاگنیں جن میں سے تین حلقے کے سامنے اور چار بائیں جانب پرا باندھ کر کھڑی ہو جاتی تھیں - جن میں سے ایک عورت روٹ کے گردے میں سے بچّے کو دیتی اور کہتی کہ بگیر بچہ، دوسری اللہ نگہبان بچہ کہہ کر لے لیتی اور اپنی ٹانگوں میں سے بچّے کو

نکال کر تیسری سے کہتی کہ بگیر بچہ۔ غرض اسی طرح ساتوں سہاگنیں سات دفعہ بچے کو روٹ کے حلقے اور اپنی ٹانگوں میں سے نکال لیتی تھیں۔ صرف یہ رسم ہندوستان کی رسموں سے باہر اور ترکی الاصل ہے اور باقی سب ملتی ہوئی ہیں۔

ہمارے ایک نہایت موقر و معتبر دوست جنھوں نے اپنی آنکھوں سے اس رسم کو مرزا محمود سلطان مرحوم شاہ عالم بادشاہ غازی کے پڑپوتے کے پیدا ہونے کے موقع پر دیکھا۔ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ میں نے بچشم خود اس روٹ کا زمین لال کر کے اس پر پکنا اور اس کا حلقہ کنتر کے تیروں کے سہارے دو تلواروں کے ساتھ کھڑا کرنا اس ہئیت سے دیکھا جس کا نقشہ درج ذیل ہے۔

روٹ کا نقشہ

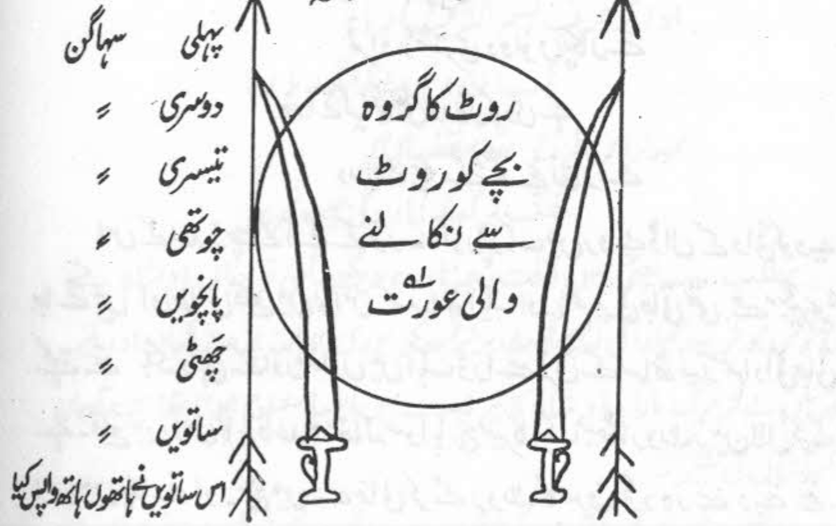

لہ اس نے روٹ میں سے نکال کر بچے کو پہلی سہاگن کو دیا۔ اس نے ٹانگوں سے نکال کر دوسری کو، دوسری نے تیسری کو، تیسری نے چوتھی کو، غرض اسی طرح بچہ ہاتھوں ہاتھ ساتویں تک پہنچایا۔ اور اس ساتویں نے ہاتھوں ہاتھ اسی طرح واپس کیا۔

سات سہاگنیں آگے پیچھے قطار باندھ کر کھڑی ہوگئیں اور ایک معزز عورت حلقے کے دوسری طرف بچے کو لے کر استادہ ہوگئی۔ اُس نے روٹ کے حلقے میں سے بچے کو نکال کر پہلی سہاگن کو دیا۔ اس نے اپنی ٹانگوں میں سے نکال کر دوسری کو، دوسری نے تیسری کو، اسی طرح ساتویں تک پہنچایا۔ ساتویں نے ہاتھوں ہاتھ اسی ترتیب پر واپس کیا اور روٹ میں سے نکال کر اسی عورت کو دے دیا جس نے سب سے اوّل بچے کو دیا تھا۔ غرض اسی ڈھنگ سے سات مرتبہ ہیر پھیر کرائے۔ یہ رسم خاص مرزا محمود سلطان مرحوم کے پیدا ہونے میں نواب عزیز النسا بیگم مرحومہ نے جو حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ کی بیٹی مرزا ے موصوف کی پردادی تھیں اپنے قدیمی دستور کے موافق مرزا محمود سلطان مبرور کی والدۂ مرحومہ کے ہاں ادا کی۔

اُن کا بیان ہے کہ یہ رسم اس طریقے پر حضرت عرش آرام گاہ ابونصر معین الدین محمد اکبر بادشاہ ثانی والد بہادر شاہ بادشاہ معزول کے زمانے یعنی ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء تک خاص خاص شہزادوں میں جاری رہی۔ اُن کے بیٹے کے زمانے میں جہاں اور رسمیں اور شاہی قاعدے رو بہ کمی ہوئے، اِس میں بھی فرق پڑ گیا۔

اسی رسم کو آج کل شہزادگان دہلی اس طرح ادا کرتے ہیں کہ سات سہاگنیں بدستور مگر زچہ چونکہ عذر نفاس[1] کے سبب سورۂ اخلاص نہیں پڑھ سکتی اپنی بجائے ایک اور عورت بطور مدد اپنے ساتھ لے لیتی ہے۔

یہ سب عورتیں زچہ کے پلنگ کو چاروں طرف سے گھیر کر بیٹھ جاتی ہیں۔ ایک عورت سات مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر اور لفظ بگیر بچہ کہہ کر دوسری عورت کو اس

لہ ایام زچگی کی ناپاکی۔

مولودِ مسعود کو دیتی ہے ۔ وہ اللہ نگہبان بچہّ کہہ کر لے لیتی اور سات ہی مرتبہ وہی سورت پڑھ کر تیسری عورت کو بگیر بچہ کہہ حوالے کردیتی ہے وہ لفظ اللہ نگہبان بچہّ ادا کرا سے لے چوتھی عورت کو دے دیتی ہے اور اسی طرح یہ رہٹ پورا کر دیا جاتا ہے ۔

جب ساتوں سہاگنیں اپنی اپنی باری سے بگیر بچہّ کہہ کر فارغ ہوجاتی ہیں۔ تو انہیں فی سہاگن دو دو نان یا باقرخانیاں، دو دو لڈو، دو دو بادام اور دو ہی دو چھوارے دیے جاتے ہیں۔ یہ رسم ترکستان سے مغلیہ خاندان کے ساتھ آئی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے چونکہ چالیس روز تک بچے کو پلنگ سے اتارنا عورتوں کے مسئلے میں منع خیال کیا جاتا ہے، اس وجہ سے یہ ترکیب نکالی گئی کہ خدا کی حفاظت میں اسے چھوڑا اور اس بہانے سے اسے پلنگ سے اُتارا جائے ۔

یہی رسم دہلی کے اور مغلوں میں اس طرح پائی جاتی ہے کہ وہ لوگ روٹ نہیں پکاتے ۔ اُن کے ہاں رات کے بارہ بجے ایک چادر بچھائی جاتی اور اُس پر سات ڈھیریاں کھیلوں اور بتاشوں کی لگاتی ہیں، جن کے اوپر دو دو پان بھی رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلے ایک عورت کی گود میں یہ کہہ کر بچےّ کو دیتے ہیں کہ بگیر بچہّ وہ تین دفعہ الحمد و قل ہو اللہ پڑھ کر دم کرتی اور پھر قینچی بچےّ کے منہ پر پھرائی جاتی اور دوسری عورت کو دے کر کہتی جاتی ہے کہ بگیر بچہّ وہ جواب دیتی ہے کہ "بیار بچہّ"، "اللہ نگہدار بچہّ"۔ بس اسی طرح ساتوں عورتیں اس بچےّ کو باری باری سے گود میں لیتی اور اپنے اپنے وار سے وہ ایک دوسری کو دیتی جاتی ہیں۔ ان رسموں سے فارغ ہوکر سب کھانا کھاتے اور ساری رات گاتے بجاتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی ڈولیاں لگ جاتی ہیں، سب مہمان اپنے اپنے گھر رخصت ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد چلّے کی رسمیں شروع ہوتی ہیں۔

ہنود کی طرح مسلمانوں میں بھی گیارہ دن سے لے کر تیرہ دن تک

سوڑھ یعنی سوتک یا چھوت رہتی ہے ۔ اس عرصہ تک زچہّ ناپاک خیال کی جاتی اور اس کے پاس پرہیزی بچوّں کو آنے جانے نہیں دیتے بلکہ بعض وہمی عورتیں پیٹ والیوں کو بھی اس جگہ سے بچاتی ہیں۔ اور اتنے دنوں تک گھر بھی اور زچہّ بھی ناپاک یعنی بھرسٹ خیال کیے جاتے ہیں۔

سردان کرنے کی رسم

اہلِ قلعہ میں زچہّ کو تارے دکھانے کی رسم ادا کرنے کے بعد ہی سردان کیا جاتا ہے مگر اہلِ شہر میں اس روز کی خصوصیت نہیں ہے ۔ وہ دودھ کے دانت نکلنے سے پیشتر جب چاہیں اس عمل کو کرسکتے ہیں بلکہ اُن میں خاص کر دست آنے کے موقع پر یہ ٹوٹکا کیا جاتا ہے ۔

تمام عورتوں کا اعتقاد ہے کہ اگر اس بچےّ کو جس کے دانت نہ نکلے ہوں، کوئی اپنے سر سے اونچا اٹھالے تو سفید دست آنے لگتے ہیں مگر اس عمل سے نہیں آتے۔ بلکہ اگر آتے ہوں تو بند ہوجاتے ہیں۔ بس اس خیال سے اہلِ قلعہ اس روگ کو پہلے ہی کاٹ دیتے ہیں ۔

اس عمل کو اس طرح کیا جاتا ہے کہ پلنگ خواہ چارپائی کی اَدوان نکال ڈالتے ہیں اور پھر دو عورتوں کو جن میں ایک ماں اور ایک بیٹی کا ہونا شرط ہے۔ اس ٹوٹکے کے واسطے بلا لیتے ہیں۔ ایک عورت اس پلنگ کے اوپر مائیں[1] کی طرف اور دوسری پائنتی کے نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ اوپر والی عورت بچےّ کو اَدوان کی خالی جگہ سے نکال کر نیچے والی عورت کو دیتی اور سات مرتبہ یہی عمل کرتی ہے۔ اہلِ قلعہ ان دونوں عورتوں کو بھی

---

[1] مائیں: پائنتی کی وہ موٹی سی عرضی رسی جس میں ادوان ڈالتے ہیں۔

وہی حصّہ دیتے ہیں جو ابھی بگیر بچّہ کے موقع پر دیا تھا یعنی دو دو نان دو دو بادام اور دو ہی چھوارے باقی اللہ اللہ خیر سلاّ۔

شہر کے بعض خاندانوں میں یہی رسم شیر دان کے نام سے مشہور ہے۔ اُن میں یہ عمل اس وقت کیا جاتا ہے جب کبھی بچّے کو سر سے اونچا کر لینے کے سبب سفید دست آنے لگتے ہیں۔ اُن کے ہاں بھی اسی طرح دو ماں بیٹیاں ایک پلنگ کے اوپر، ایک نیچے بیٹھ جاتی ہیں۔ پلنگ والی عورت پائنتی کی خالی جگہ سے بچّے کو نیچے دیتی اور اس سے پوچھتی ہے کہ شیر دان گیا؟ نیچے والی جواب دیتی ہے کہ گیا۔ بس سات مرتبہ یہ ٹوٹکا کر کے بچے کو اٹھا لیا جاتا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سر دان کہو خواہ شیر دان عورتوں نے دستوں کے اس مرض کا نام رکھ چھوڑا ہے۔ سر دان بظاہر ہر گرداں کا مخفف ہے۔ یعنی سر پر پھرانا، مجازاً سر سے اونچا کرنا اور شیر دان کے دست سفید رنگ کے آتے ہیں۔ عورتیں نہایت وثوق کے ساتھ بیان کرتی ہیں کہ اس ترکیب سے بالکل آرام ہو جاتا ہے اور ہمارے نزدیک یہ علاج ایک پر ایک ہے، کبھی خطا نہیں کرتا واللہ اعلم بالصّواب۔

رتجگہ

رتجگہ اصل میں شب بے داری کو کہتے ہیں۔ جس میں رات بھر جاگ کر خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ مگر عورتوں نے خوشی کی تقریبوں کے موقع پر رات بھر جاگنے اور نیاز دلانے کا نام رتجگہ رکھ لیا جیسے لکھنؤ میں خدائی رات کہتے ہیں۔

یہ رتجگہ پانچ تقریبوں میں یعنی چھٹی، دودھ چھٹائی، سالگرہ، بسم اللہ اور بیاہ کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ رات بھر کڑھائی ہوتی، یعنی گلگلے تلے جاتے اور اللہ میاں کا رحم بنایا جاتا ہے۔ رحم ایک قسم کا چاولوں کے آٹے

کا حلوا ہوتا ہے جو دودھ میں گوندھ کر کھانڈ اور میوہ ڈال کر پیڑے سے بنا لیتے ہیں۔ ان گلگلوں اور رحم پر اللہ میاں ہی کی سلامتی پڑھی جاتی یعنی نیاز دلوائی جاتی ہے اور بیوی یعنی حضرت فاطمہؓ کی نیاز بھی اس کے ساتھ ہی خشکے یا زردہ پر دلائی جاتی ہے۔ بیوی کی نیاز یا صحنک میں سات ترکاریاں اور سات ہی طرح کا میوہ رکھا جاتا ہے۔ نیاز کا کھانا کورے طباقوں میں نکالا جاتا ہے۔ بیوی کی نیاز کے سوا پانچ سیر چاول پکائے جاتے ہیں۔ جن پر ڈھائی سیر کھانڈ اور ڈھائی سیر دہی ڈالا جاتا ہے اس نیاز میں مسّی، تیل، سرمہ، مہندی، کلاوہ، صندل اور پانچ آنے چراغی کے بھی رکھے جاتے ہیں۔ پہلے یہ بھی دستور تھا کہ نیاز کھانے والوں کے آگے ایک طشتری میں چونا بھر کر رکھ دیتے تھے۔ سب نیاز کھانے والی پاکدامنیں ایک ایک انگلی چاٹ لیا کرتی تھیں۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ اگر بدکار عورت چاٹے گی تو اس کے منہ سے خون جاری ہو جائے گا۔ بس اس خوف سے باعصمت عورتیں ہی اس نیاز کو کھایا کرتی تھیں۔ ہم اس رتجگہ کا ذکر بار بار نہیں کریں گے۔ صرف اسی موقع کا حوالہ دے دیں گے۔ ہاں اگر شاہی خاندان دہلی کی رسمیں لکھیں تو اس میں جس طریقے سے رتجگہ ہوا کرتا تھا اسے فرق ظاہر کرنے کی غرض سے ضرور جتائیں گے۔

چلّے

چلّے کے معنی چالیس روز کے ہیں۔ چونکہ زچّہ چالیسویں دن بڑا چلّہ نہاتی ہے۔ اور اس سے پیشتر بھی اسے تین مرتبہ نہانا پڑتا ہے، لہذا بڑے چلّے کی مناسبت سے ہر ایک غسل نفاس یعنی غسل زچگی کو چلّہ کہنے لگے۔ جس طرح کچّا لوا روی کی جڑ کو کہتے ہیں مگر اس کو ایک خاص طریق سے بنا کر کھاتے ہیں۔ اس وجہ سے

جس ترکاری کو نمک مرچ کھٹائی ڈال کر اس طریق پر بنائیں گے اسی کو کچالو کہیں گے ۔ جیسے کمرک کے کچالو، سنترے کے کچالو، کیلے کے کچالو، امرود کے کچالو وغیرہ۔

غرض جب زچہ دسویں روز نہاتی ہے تو اسے دسواں، بیسویں دن نہاتی ہے تو اسے بیسواں، مہینے کو نہاتی ہے تو اسے مہینے کا یا چھوٹا چلّہ کہتے ہیں۔ چالیس روز میں بڑا چلّہ نہایا جاتا ہے۔ اس روز زچہ اور بچہ نہا دھو کر میعادِ زچگی سے فراغت پاتے ہیں۔ دائی کو جنائی کو چھٹی اور چلّوں کے جوڑے اور رخصتانہ کے روپے دیے جاتے ہیں۔ آج ہی کے دن نوکر چاکر، سقنی، دھوبن، حلال خوری کو زچہ خانے کی خدمت کا انعام دیا جاتا ہے۔ اب زچہ بچے کو لے کر میکے میں پاؤں پھیرنے جاتی ہے، اور ستھورا سسرال کی طرف سے ہمراہ لے جاتی ہے۔ دس بیس روز کے بعد جب واپس آتی ہے تو میکے سے ترکاری، مٹھائی کے خون کھیلیں بتاشے ساتھ لاتی ہے۔ امیر گھرانوں میں دودھ پلانے کو اچھے خاندان کی انّا کپڑے پہنانے کو مانی پرورش کو ددا پوترے دھونے اور کھلانے کو چھوچھو نوکر رکھ دی جاتی ہے۔ اور ماں نگرانی رکھتی ہے۔ صبح کو چھوچھو لڑکوں کو ان فقروں سے کھلاتی ہے:

میاں آوے دوروں سے گھوڑا باندھوں کھجوروا سے

میاں آوے دوڑ کے دشمن کی چھاتی توڑ کے

جگ جگ[1] جگ جگ جیا کرو دودھ ملیدہ پیا کرو

جب ددا منہ دھلانے بیٹھتی ہے تو کہتی ہے:

چھی چھی، چھی چھی کوا کھائے دودا بھائی ننا کھائے

---

[1] جگ زمانہ دراز، قرن مجازاً ہمیشہ، اہلِ ہند کے مجوزہ چار زمانوں میں سے ہر ایک کو جگ کہتے ہیں جن کی تعداد ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک پہنچتی ہے۔

دوپہر کے سونے کے وقت انّا یہ لوری دے کے سلاتی ہے:

لوری

آجاری نیند یا تو آ کیوں نا جا

میرے بالے کی آنکھوں میں گھل مل جا

آتی ہوں بیوی آتی ہوں

دو چار بالے کھلاتی ہوں

دیگر

تو سو میرے بالے تو سو میرے بھولے جب تک بالی ہے نیند

پھر جو پڑے گا تو دنیا کے دھندے کیسا ہے جھولا کیسی ہے نیند

تو سو میرے بالے تو سو میرے بھولے جب تک بالی ہے نیند

کھیل تماشے کر لے تو ساری کہتی ہوں تجھ سے آنکھوں کے تارے

زندہ ہے ماں بھی باپ بھی بارے کر لے تو آرام سید پیارے

تو سو میرے بالے تو سو میرے بھولے جب تک بالی ہے نیند

کھیل تم ایسے کھیلنا للنا جن سے نہ ہو ماں باپ کا جلنا

دنیا سے ڈر ڈر سنبھل کر چلنا، سکڑی ہے گھاٹی رستہ پھسلنا

تو سو میرے بالے تو سو میرے بھولے جب تک بالی ہے نیند

مطلب: ماں بچے کو یہ کہہ کر سلا رہی ہے کہ اے میرے ننھے سے بچے، اسے میرے بھولے بھالے بچے جب تک بچپن کی نیند ہے تو آرام سے سو لے، جب تو بڑا ہو کر دنیا کے کاروبار میں پھنسے گا تو نہ یہ جھولا رہے گا اور نہ یہ نیند ہاتھ آئے گی۔ اے میرے آنکھوں کے تارے میں تجھ سے کہتی ہوں جتنے بچپن کے کھیل اور تماشے ہیں ان سب کو ابھی پورا کر لے (کیونکہ یہ بے فکری کا زمانہ ہے) کہ تیرے چاہنے

والے ماں باپ دونوں ابھی تک جیتے ہیں۔ اے پیارے سید آرام کرلے۔ میرے پیارے بیٹے تم کھیل کھیلو تو ایسے کھیلنا جن سے ماں باپ کو رنج اٹھانے کی نوبت نہ آئے۔ یعنی بدچلنی نہ کرنا۔ دنیا سے ڈرتے رہنا اور اس سے بچ بچ کر رستہ چلنا۔ دنیا کی گھاٹی نہایت سکڑی ہے۔ جس سے گزرنا مشکل ہے، اس کا رستہ بہت پھسلنا ہے، جس سے سنبھلنا دشوار ہے۔ رات ہوئی تو بچے کو چاند دکھا کر یوں بہلایا:

چندا ماموں دور کے، بڑے پکاویں بور کے
آپ کھاویں تھالی میں، ہم کو دیویں پیالی میں
پیالی گئی ٹوٹ چندا ماموں گئے روٹھ
پیالی آئی اور چندا ماموں آئے دوڑ

کبھی شمع یا چراغ کے آگے بیٹھ گئیں چراغ کی لو تک ہاتھ لے گئیں اور بچے کی آنکھوں پر یہ کہہ کر ہاتھ پھیرا:

اکھو مکھو، میرے میاں کو اللہ رکھو

جب ذرا بچہ ہوں ہاں کرنے لگا تو اسے گھٹنوں پر بٹھا کر جھجو جھلانا شروع کیا اس طرح کہتی گئی اور گھٹنوں کو ہلاتی گئی:

جھجو جھوٹے جھجو جو!   جھجو کی ڈال جھوم پڑی
میاں نے چن چن گود بھری   پکے پکے میاں کھائیں
کچے کچے نوکر کھائیں   خبردار ہو بڑھیا راجہ کا
کوٹ گرتا ہے!

اڑاڑاڑا دھم

یہ کہا اور بچے کو اچھال دیا، وہ اس سے خوش ہوگیا۔ بیٹیوں کو اس طرح

کھلاتی ہے:

بیوری تو بائی چنگے دن آئی   جئیں تیرے باپ اور بھائی
بیوی بیٹیاں چھپر کھٹ میں لیٹیاں   مارے مغروری کے جواب نہ دیتیاں
اکھو مکھو میری بیوی کو اللہ رکھو

اگر بچہ سوتے میں ہنستا ہے تو کہتے ہیں کہ "بہائی ہنساتی ہے"۔ بہائی جسے یہ مانا کہتے ہیں ہندوؤں کی ایک دیوی کا نام ہے۔ جس کی نسبت اعتقاد کرتے ہیں کہ وہ بچے کے کان میں کچھ باتیں کہہ کر کبھی ہنساتی اور کبھی رُلاتی ہے۔ مگر درحقیقت بچہ خواب دیکھ کر ہنستا اور روتا ہے۔ اگر بھیانک خواب دیکھا رو دیا، خوشی کا دیکھا تو ہنس دیا۔ مسلمان عورتوں کا خیال ہے کہ جب بہائی کہتی ہے کہ تیری ماں جیتی ہے تو بچہ ہنس دیتا ہے اور جب کہتی ہے کہ وہ مرگئی تو رو دیتا ہے۔

مرنڈوں[1] کی رسم

جب بچہ پانچ مہینے کا ہوجاتا اور ہاتھوں کی مٹھیاں باندھنے لگتا ہے تو نانی کے ہاں سے اگر وہ غریب ہوئی تو گیہوں کے ورنہ مرمروں کے مرنڈے خواہ ان کی بجائے موتی چور کے لڈو اور خشخاش یا گیہوں کی گھنگنیاں آتی اور دلہن والوں کے کنبے میں تقسیم کی جاتی ہیں۔

مرنڈوں سے غرض گیہوں کے لڈو ہیں جو گیہوں کو بھاڑ میں بھون کر گرم گرم میں گڑ رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ چونکہ مٹھی کی اور ان کی شکل یکساں ہے۔

---

[1] چونکہ مرنڈے مٹھیاں بند کرکے بناتے ہیں اور بچہ بھی ان دنوں میں مٹھیاں بند کرنی شروع کردیتا ہے پس اسی مناسبت سے مرنڈے بنے۔

اس وجہ سے اس رسم کے واسطے مرنڈے تجویز کیے گئے۔

دانتوں کے نکلنے کی رسم

جب بچہ دانت نکالنے شروع کرتا ہے تو پھپھیاں کھوپرا چبا کر اُس کے منہ میں پھونکتی ہیں اور اس کا انہیں نیگ یعنی انعام ملتا ہے۔ بچّے کے دانت نکالنے کو بچّے نکالنا کہتے ہیں۔ عورتوں کا خیال ہے کہ کھوپرا چبا کر منہ میں ڈالنے سے دانت آسانی سے نکل آتے ہیں۔

جب دودھ کے دانت ٹوٹتے ہیں تو چوہے کے بِل میں ڈالتے ہیں تاکہ بچّے کے دانت بھی چھوٹے چھوٹے چوہیا کے سے خوشنما نکلیں۔

سالگرہ

جب بچّہ برس روز کا ہو جاتا ہے تو بالو شاہی یا کوئی اور مٹھائی منگا کے ایک کشتی میں کلاوہ، چاندی کا چھلا، ہری دوب، مصری کا کوزہ، پان کا بیڑہ سجا کر اپنے بڑے بوڑھے کے آگے رکھتے ہیں۔ وہ کلاوہ اٹھا کے پہلے بسم اللہ پڑھتا پھر کلاوے میں اوّل ایک گرہ لگا دیتا، بعد میں پان کے بیڑے میں دوسری گرہ دیتا پھر ہری دوب، مصری کی ڈلی میں تیسری چاندی کے چھلّے میں، چوتھی اور پانچویں گرہ بچّے کے سر سے چھوا کے خالی لگا دیتا ہے اُس وقت سب لوگ مبارکباد دیتے اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ ایک سال یہ اور ہزار سال اور نصیب کرے۔

دودھ بڑھانا[1]

کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ سوا دو برس میں بچّے کا دودھ چھڑایا جاتا

(حاشیہ صفحہ ۹۱ پر)

ہے۔ اس میں کھجوریں تلتے ہیں۔ ننھیال اور ددھیال کے لوگ جمع ہوتے ہیں ایک غوری میں کھجوریں بھر کے بچّے کے آگے رکھتے ہیں تاکہ وہ اس میں سے اٹھالے اگر بچّے نے ایک کھجور اٹھائی تو سب خوش ہو گئے اور کہا کہ بس ہمارا ننھا صرف ایک دن ضد کرے گا (یعنی ایک دن دودھ پینے کی ہٹ کرے گا) اور جو دو چار کھجوریں اٹھائیں تو کہا کہ یہ تو بڑا ہی ضدی ہو گا۔ کم سے کم دو چار دن تو ضرور مچلے گا۔

انّا تگہ کو بھاری بھاری جوڑے اور دودھ چھٹائی کے روپے دیے جاتے ہیں۔ اور دیگر ملازمین کو انعام ملتا ہے۔ انّا یا ماں چھاتی کے مُنہ پر رسوت خواہ ایلوا لگا دیتے ہیں۔ اگر بچّے نے ضد کی تو کہہ دیا کہ جیجی کو ہوّے نے کاٹ کھایا ہے۔ اور اس پر بھی نہ مانا تو چھاتی کو منہ سے لگا دیا۔ وہ کڑواہٹ سے خود چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ صبح و شام کھچڑی، تیسرے پہر کو ذرا سا بسکٹ یا نان خطائی خواہ کھجور کا ٹکڑا کھلا یا اور بہلا دیا۔ جب بچّہ ذرا ہوشیار ہو گیا تو اوّل مسلمانی کی پھر بسم اللہ کی ٹھہرائی۔

رسم ختنہ[1]

یہ مسلمانوں کی ایک شرعی رسم موسوم بہ سنّت ہے۔ بعض چھٹی کے روز بعض دس

(حاشیہ صفحہ ۹۰ کا) وہم کے باعث چھڑانا، کی بجائے بڑھانا نیک فال سمجھ کر بولا جاتا ہے۔ ۱۲

[1] ختنہ۔ یہ رسم حضرت خلیل اللہ کے وقت سے اُن دس احکام کے موافق ہے جو حضرت پر نازل ہوئے اور آپ نے حکمِ ختنہ کو سنتے ہی اتنا بھی وقفہ نہ کیا کہ کوئی ترکیب سہولت اور تکلیف کم کرنے کی سوچی جائے۔ فوراً نیشے سے اس حکم کی تعمیل فرمائی۔ چونکہ نبی آخر الزماں نے اکثر قدیمی شریعتوں کو اپنا معمول فرمایا۔ لہذا یہ بھی برابر جاری رہی۔ بلکہ عرب میں عورتوں کا بھی ختنہ پایا جاتا ہے، لیکن داخلِ سنّت اور واجب العمل نہیں ہے ایک اختیاری امر ہے۔

یا بارہ برس کی عمر میں کرا دیتے ہیں۔ مگر نو مسلموں کا ختنہ جس عمر میں وہ مسلمان ہوتے ہیں اسی میں کر دیا جاتا ہے۔

اس میں رشتے کے آدمیوں اور دوستوں کو جمع کرتے، کھانا پکاتے، مٹھائی تقسیم کرتے اور شادی کی سی خوشی مناتے ہیں۔ جس بچّے کی سنّتیں ہوتی ہیں ختنے سے پیشتر مائیوں کی طرح زرد کپڑے پہناتے، گھوڑی چڑھاتے اور اسے فرضی دولھا بناتے ہیں۔

رسمِ ختنہ سے ایک روز پیشتر یا اسی روز نائی تمام کنبے والوں میں سنّتوں کا بلاوا دے آتا ہے۔ جب سہ پہر کا وقت ہوتا ہے تو نائی آتا ہے۔ شیرینی وغیرہ اس سے پیشتر خوانوں میں سجا کر رکھ دیتے ہیں۔ بچّے کو دو ایک گھنٹہ پیشتر بعض لوگ بھنگ کی معجون یا بوزا تیں کھلا دیتے ہیں، تاکہ حالت نشے میں اسے تکلیف محسوس نہ ہو۔

اب لوگ آنے شروع ہوتے ہیں۔ انہیں فرش پر بٹھایا حقّہ پلایا اور پان کھلایا جاتا ہے۔ لڑکے کو ایک قوی آدمی لے کر سوزنی بچھی ہوئی چوکی پر بیٹھ جاتا ہے، نائی استرا تیز کر کے چھپا لیتا ہے۔ پہلے سلائی سے انڈے بچّے صاف کرتا پھر کھپچی کی گھوڑی چڑھا کر جس قدر کھال تراشنی منظور ہوتی ہے اسے اس گھوڑی سے دبا لیتا ہے اور ایک دفعہ ہی لڑکے کو بہلاوہ دینے کی غرض سے کہتا ہے کہ دیکھو وہ سونے کی چڑیا اڑی جاتی ہے، لڑکا ادھر دیکھنے کو مُنہ اٹھاتا ہے کہ یہ فوراً دین دین محمد کہہ کر اس کھال کو اڑا دیتا ہے۔ چنانچہ "دین دین محمد" کرنا ختنہ کے واسطے ایک خاص اصطلاح ہو گئی ہے۔

وہ کھال ایک دھجّی میں رکھ کر بچّے کے بائیں پاؤں میں باندھ دیتے ہیں تاکہ کسی کا پرچھاواں نہ پڑے اور پہلے تو ساتھ ہی مور کا پر بھی باندھ دیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ دستور نیچ قوم میں رہ گیا ہے۔

جس وقت ختنہ ہو چکتا ہے تو نائی چوکی پر کٹوری رکھ دیتا ہے۔ جس میں خاص خاص دوست اور رشتہ دار ایک ایک خواہ دو دو روپے علیٰ قدر مقدور ڈال دیتے ہیں۔ یہ نائی کا حصّہ ہوتا ہے۔ اصل میں جو نائی ہمیشہ مفت خدمت کیا کرتا ہے، اُسے شادی اور تقریب کے ہر موقع پر حجام کا حق پورا پورا دے دیا جاتا ہے اور جن کے ہاں بلا اجرت نائی کام نہیں کرتا وہ جو کچھ مقرر کر لیتے ہیں، وہ دے کر باقی دام واپس لے لیتے ہیں۔ جب ختنے کا زخم اچھا ہو جاتا ہے تو پاؤں میں سے کھال کھول کر پھینک دیتے ہیں اور اب گھوڑی چڑھانے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

گھوڑی چڑھانا

اُس روز پھر رشتے کنبے کے لوگ مرد اور عورتیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ بچّے کو نہلاتے، نیا جوڑا پہناتے اور دولھا بناتے ہیں۔ نانی جوڑا بھیجتی ہے۔ سہرا، بدّھی، طُرّہ، پھولوں کا پورا گہنا ہوتا ہے۔ نائی کو بچّے کا پہنا ہوا ایک نیا جوڑا مع رخصتانہ دیا جاتا ہے۔ لڑکے کو گھوڑے پر چڑھاتے، دیسی اور انگریزی باجا بجاتے کسی بزرگ مقام پر لے جاتے ہیں۔ دہلی والے جامع مسجد کے اندر آثار شریف میں بچّہ کو لے جا کر سلام کراتے اور ملیدہ چڑھاتے ہیں۔ اور دیگر مقامات میں کسی بزرگ کی درگاہ یا مسجد وغیرہ میں یہی رسم ادا ہو جاتی ہے وہاں سے آ کر لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ کوئی ناچ دکھاتا ہے۔ عورتوں میں سہاگ گھوڑیاں گائی جاتی ہیں۔ یہ وہی گیت ہیں جو شادی کے موقع پر عورتیں گاتی ہیں اور وہیں اُن کا لکھنا بھی مناسب ہوگا۔ یہ رسم ہندو کشمیریوں کے جینو کے رسم کے موافق خیال کی جا سکتی ہے۔

ناک کان چھدوانے کی رسم

جس طرح بیٹوں کو ختنہ کی تکلیف دی جاتی ہے اسی طرح لڑکیوں کو ناک

کان چھدانے کا دُکھ اٹھانا پڑتا ہے، مگر وہ گہنا پہننے کے شوق میں اس تکلیف کو خوشی خوشی گوارا کر لیتی ہیں۔

کان چھدانے کے لیے کوئی خاص برس یا تعدادِ عمر موقوف نہیں۔ چاہے جب چھدا دیں مگر اکثر پانچ چھ برس کی عمر میں ہی چھدوا دیے جاتے ہیں، تاکہ بڑی عمر میں کان سخت ہو کر زیادہ زحمت نہ دیں۔ پہلے ناک یعنی بائیں جانب کا نتھنا نتھ یا کیل پہننے کے واسطے چھیدا جاتا ہے پھر ایک کان کے نیچے کی طرف تین، تین سوراخ اور اوپر کی جانب چار چار مگر اب اوپر کی طرف پانچ پانچ چھیدنے کا دستور ہو گیا ہے۔ اِن میں بالے، بالیاں، پتّے مگر چودانیاں وغیرہ پہنی جاتی ہیں۔

اس رسم میں کھوپرا اور مصری ننھیال نیز ددھیال والوں کو تقسیم کی جاتی ہے اور کَن بندھے، یعنی کان چھیدنے والے کو آٹا گڑ اور حسبِ مقدور نقدی دی جاتی ہے۔ کَن بندھے خاص ہندو ہوتے ہیں جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ رسم مسلمانوں میں پہلے سے نہ تھی۔

عورتوں میں مشہور ہے کہ جب کان بندھا کان چھیدتا ہے تو دھار باندھ دیتا ہے یعنی جادو یا منتر کے زور سے خون نہیں نکلنے دیتا ہے۔ یہ خیال غلط ہے، کیونکہ اوّل تو اس مقام پر خود ہی خون کم ہوتا ہے دوسرے ہلدی چونا لگا دینے سے اور بھی رُک جاتا ہے۔

رسمِ بسم اللہ

جب بچّہ ساڑھے چار برس کا ہو جاتا ہے تو اسے بسم اللہ پڑھوا کر مکتب میں جانے کے قابل بناتے ہیں۔ یہ رسم بھی بیاہ کی طرح منائی جاتی ہے۔ لڑکا ہو خواہ لڑکی رات کو ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی جاتی، دن کو نہلایا جاتا نیا جوڑا نئی

جوتی پہناتے، سر سے سہرا باندھتے، گلے میں بدّھی ڈالتے، کان کے پاس گوشوارہ یا طرّہ لٹکاتے اور عصر کے وقت دولہا یا دلہن بناتے ہیں، پستے، بادام، تِل، خشخاش کھیلوں کے سات طرح کے لڈو خوانوں میں لگا کر رکھتے ہیں، مگر عام دستور یہ ہے کہ شیرینی تقسیم کرنے کے واسطے خونوں میں بھر بھر کر رکھ دیتے ہیں۔ چاندی کی تختی پر یا پھلکیوں دار لال کاغذ پر پہلے بسم اللہ پھر اقرا[1] باسم ربک الذی خلق، لکھ کر بچّے سے پڑھواتے ہیں۔ بچّہ اوّل بسم اللہ استاد کے ساتھ ساتھ کہتا جاتا ہے۔ پھر اس آیت کے ٹوٹے پھوٹے لفظ زبان سے نکال دیتا ہے۔ اسی وقت مبارک سلامت کی دھوم مچ جاتی ہے۔ شیرینی تقسیم ہونے لگتی ہے۔ چونکہ پیشوائے اسلام پر سب سے بیشتر یہی سورت نازل ہوئی تھی اسی لیے سب سے پہلے اسی کا پڑھنا مبارک اور باعثِ برکت مانا جاتا ہے۔ اس رسم میں بھی مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا اور نوکروں چاکروں نیز کمینوں کو انعام واکرام دیا جاتا ہے۔ پورب میں اسی رسم کو مکتب کہتے ہیں۔

ھدیہ

بسم اللہ کے بعد بچّے کو قرآن شریف شروع کرا دیتے ہیں۔ جب وہ ختم ہو جاتا ہے تو اس روز کی رسم کو ہدیہ کہتے ہیں۔ اس روز بھی بچّے کو بناؤ کراتے، پھولوں

---

[1] یہ قرآن شریف کی اس سورت کا نام ہے جو حضرت رسالت مآب پر سب سے پہلے اُتری۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "اے پیغمبر اپنے اس خدا کا نام لے کر جس نے مخلوقات کو پیدا کیا اور آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا قرآن پڑھنا شروع کرو۔"

کا گہنا پہناتے سر سے سہرا باندھتے موتیوں یا پھولوں کا طرّہ لگاتے اور خاصا دولہا بنا دیتے ہیں۔

مکتب کے لڑکوں کو چھٹّی کا حق دے کر استاد سے چھٹّی دلواتے ہیں۔

استاد جی سب لڑکوں کو ساتھ لے کر جس لڑکے کا ہدیہ ہوتا ہے اُس کے گھر پر آتے ہیں، خوانوں میں مٹھائی، کشتیوں میں استاد کا خلعت اور روپے لگائے جاتے ہیں۔ خوشنما جانماز یا کارچوبی مصلّی بچھا کر پہلے لڑکے کو نماز پڑھاتے ہیں۔ جب نماز پڑھ چکتا ہے تو دعا منگواتے ہیں پھر لڑکے کے دونوں ہاتھ پھیلوا کے اُن کے اوپر لال کاغذ رکھ کے کلاوے سے باندھ دیتے ہیں۔ گویا لڑکا حافظ جی کے سامنے ہاتھ باندھ کر ختمِ قرآن کے شکریے کے واسطے کھڑا ہوتا ہے۔ حافظ جی سب لڑکوں کو برابر کھڑا کر کے آمین شروع کرتے ہیں۔ آمین کے لغوی معنی ہیں اے خدا بچا اور محفوظ رکھ۔ اصطلاحی معنی خدا یوں ہی کرے۔ چونکہ ختمِ قرآن قبول دعا کا یقین کیا جاتا ہے۔ اس سبب سے ایک دعا اور اسی قسم کے کچھ اشعار کا نام بھی آمین ہو گیا ہے جس کے دو ایک شعر یہ ہیں۔ حافظ جی مصرع پڑھتے ہیں اور لڑکے اس کے خاتمہ پر آمین پکار کر کہتے ہیں۔

آمین

اعوذ باللہ من الشیطانی آمین
بسم اللہ الرحمانی آمین
فرزند نیک زادی نامش نکو نہادی
این دم بکن تو شادی سبحان من یرانی
ختمِ قرآن نمودہ علم زباں ربودہ
فرحت بجاں فزودہ سبحان من یرانی

اے مادرِ خجستہ بکشائے قفلِ بستہ
تشریف دہ دو دستہ سبحان من یرانی
کچھ کھانڈ کچھ چھوارے آگے رکھو ہمارے
شاگرد کھاویں سارے سبحان من یرانی
آمیں تمام کردم انعام خواجہ بردم!
حلوا و شہد خوردم سبحان من یرانی

مطلب مع ترجمہ:- بمدد خدا شیطان سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدا رحمان ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ تم نے سعید بچہ جنا اس کا مبارک نام رکھا۔ اس وقت تم خوشی مناؤ اس نے قرآن ختم کیا۔ علم وادب حاصل کیا۔ دل میں خوشی بڑھائی۔ خدائے تعالیٰ پاک ہے جسے ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اے لڑکے کی مبارک ماں خزانے پر لگے ہوئے قفل کھول دے۔ دونوں دونوں ہاتھوں سے خلعت دے۔ خدا تعالیٰ پاک اور ہماری نظر سے غائب ہے، کھانڈ اور چھوارے ہمارے آگے لا کر رکھو تاکہ ہمارے تمام شاگرد کھائیں۔ خدا پاک ہے اور دیکھنے میں نہیں آتا ہے۔ میں نے آمین کو ختم کر دیا۔ آپ سے انعام لے لیا۔ حلوہ بھی کھایا، شہد بھی چٹ کیا، بیشک خدا پاک اور ہماری نظر سے غائب ہے مگر اس پر بھی ایسی ایسی نعمتیں اپنے کلام کی برکت سے کھلاتا ہے۔

حافظ جی آمین ختم کر کے دعا مانگتے ہیں۔ انہیں دو شالہ خلعت، روپے اور بہت سی مٹھائی دی جاتی ہے۔ اب حافظ جی صاحب خوش ہو کے لڑکے کے ہاتھ کھول دیتے ہیں۔ کنبے رشتے والے لڑکے کے ہاتھ میں روپے اشرفیاں دیتے ہیں۔ پھر لڑکے کو جامع مسجد لے جاتے، آثار شریف میں روپے چڑھاتے اور گھر پر آ کر مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

روزہ

جب بچہ سات، نو یا گیارہ سال کا ہوتا ہے تو اسے روزہ رکھواتے اور اس کی بھی ایک چھوٹی سی شادی رچا دیتے ہیں۔ بچے کو نئے کپڑے پہناتے ہیں۔ اس کے واسطے طرح طرح کے کھانے پینے کی چیزیں سجاتے اور روزہ کھول کر سب کو افطاری کھلاتے ہیں۔ اس موقع پر بھی حق داران کو انعام واکرام دیا جاتا ہے۔

موچھوں کا کونڈا

جب لڑکا سترہ یا اٹھارہ برس کا ہو جاتا ہے اور اس کی مسیں بھیگنے لگتی ہیں تو موچھوں کا کونڈا کیا جاتا یعنی پیغمبر صاحب کی نیاز سلامتی کے ساتھ بلوغت کو پہنچنے کے شکریے میں دلوائی جاتی ہے۔ یہ نیاز سوئیوں[1] پر ہوتی ہے۔ اس رسم میں لڑکے کی موچھوں کو گھسا ہوا صندل انگلی کی بجائے ایک روپیہ سے لگاتے ہیں۔ اس نیاز کو عورتیں اور مرد سب کھاتے ہیں مگر بیوی کی نیاز صرف عورتوں ہی کو کھلائی جاتی ہے۔ یہ نیاز جلیبیوں کے کونڈوں پر دلوائی جاتی ہے اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ بیوی کا کونڈا جب کہیں گے تو وہاں بیوی کی نیاز یعنی صحنک سے مراد ہوگی۔ اس رسم میں بھی قریبی رشتہ کے مرد اور عورتیں سب جمع کی جاتی ہیں۔

پیدا ہونے سے موچھوں کے کونڈے تک کی رسمیں ختم ہوئیں۔ اب بیاہ شادی کی رسمیں شروع کی جاتی ہیں۔

---

[1] یہ نیاز سوئیوں پر اس غرض سے ہوتی ہے کہ جس طرح سوئیوں کی بیل بڑھتی ہے اسی طرح موچھوں کی بیل بڑھے۔ ۱۲

بیاہ شادی کی رسمیں

شارعِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے عقد مناکحت کے واسطے بذاتِ خود ایجاب و قبول و باہمی رضامندی کو ایک ایسا لازمی و ضروری امر قرار دیا ہے کہ وہ سنِ تمیز وحدِ بلوغت کو پہنچ اور اپنا آپ نیک و بد دیکھ لینے کے واسطے ایک اعلیٰ درجے کا معیار[1] ہے۔ چنانچہ ملک عرب میں جہاں سے اسلام نے ظہور و نشو و نما پایا جب تک لڑکا اور لڑکی جوان نہیں ہو لیتے نکاح نہیں کیا جاتا بلکہ لڑکی کا دکھا دینا بھی داخلِ عیب نہیں۔ چنانچہ خود ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات روا رکھی تھی اگرچہ بعض صورتوں میں ولیِ جائز بھی اپنے اختیار سے ایک دوسرے کا نکاح پڑھوا دینے کے مجاز ہیں لیکن یہ طریقہ جانبین یعنی لڑکی اور لڑکے کی رضامندی کا بیّن ثبوت نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے اکثر اوقات ایسے موقعوں کی شادی بی شادی" یعنی ایک ڈراؤنی دیونی بن جایا کرتی ہے۔

ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ دستور ہے کہ لڑکی کو مشاطہ[2] اور اس گھرانے کی عورتوں سے جہاں سے بات آتی ہے اس قدر چھپایا جاتا ہے کہ جس کی حد نہیں۔ لڑکے والے بھیس بدل بدل کر عورتوں کو بھیجتے ہیں۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح لڑکی کی صورت دیکھ آئیں۔ کوئی عورت اس کام کے واسطے گندھن[3] بن کر طرح طرح کے خوشبودار عطر یا تیل لے کر بیچنے کے بہانے سے جاتی ہے۔ کوئی

---

[1] کسوٹی اور تولنے کا کانٹا۔

[2] دلاّلہ وہ عورت جس کا پیشہ شادیاں کرانے کا ہوتا ہے۔

[3] عطر فروشنی، پھلیل بیچنے والی عورت۔

کپڑے کا نقصان گٹھڑی میں باندھ کر کوئی گوٹے کناری کی پیٹی بغل میں داب کر کوئی چھالیہ زردہ[1] کی پٹلیاں ہاتھ میں سنبھال کر فروخت کرنے جاتی اور گھر کا حال دیکھ بھال کر چلی آتی ہے۔ اس رسم سے چالاک لوگوں کو جن کے گھر میں کئی کئی بیٹیاں ہوتی ہیں یہ موقع بھی مل جاتا ہے کہ بات کسی لڑکی سے ٹھہرتی ہے اور بروقت دلہن کسی کو بنا کر بٹھا دیتے ہیں جس کے بعد میں بڑے بڑے جھگڑے پڑا کرتے اور دائمی بدمزگی و نااتفاقی کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلا کرتا ہے۔

ہم لوگوں کی ہندی نژاد، ہندی الاصل عورتوں کو ہندوستان کی محبت خیز سرزمین نے صرف اس ملک کی رسموں ہی کا گرویدہ نہیں بنایا بلکہ ان رسموں میں اپنی طرف سے ترقی دینے کا مادّہ بھی ان کے پرارمان جیوڑوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔

اہلِ ہند اپنے دھرم شاستر کے موافق چھوٹی عمر میں بیاہ کر دینا داخلِ ثواب و نجات خیال کرتے ہیں اور بڑی عمر میں موجبِ عذاب و مکروہات لیکن ہمارے ہاں کی مستورات نے اس میں بھی یہاں تک ترقی کی کہ پیٹوں اور ولادت کے موقعوں سے یہ بنج شروع کر دیا۔

پیٹوں کا بنج وہ ہے کہ جب کوئی عورت حاملہ ہوتی تو اس سے اقرار و مدار ہو گیا کہ اگر لڑکی ہوئی تو ہمارے فلانے لڑکے سے اُس کا عقد کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ شاذ و نادر بات ہے مگر ٹھیکرے کی مانگ نے بہت کچھ رواج پا رکھا ہے اس کا دستور یہ ہے کہ جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو آپس کی رضامندی سے جس چلپچی یا ٹھیکرے یعنی کونڈے میں اسے نہلاتے ہیں اس میں لڑکے کی ماں ایک روپیہ ڈال دیتی یا

---

[1] دہلی میں کھانے کے ہر ایک تمباکو کو زردہ کہتے ہیں۔

گھٹی میں مصری ملا دیتی ہے۔ جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ آج ہی سے یہ لڑکی ہماری منگیتر[1] ہو گئی۔ ہمارے سوا دوسرے لڑکے سے اس کی شادی نہیں کی جائے گی اِسے ٹھیکرے[2] کی مانگ یعنی مولودی نسبت کہتے ہیں اور یہ ایک عجیب و غریب بات ہے۔

اس قسم کی نسبتیں لڑکے لڑکیوں کی ارمان بھری مائیں تجویز کیا کرتی اور جہاں تک بنتا ہے ایسے سیتلا کے کھاجے کم سن بچّوں کی شادی کر کے اپنا ارمان نکالا کرتی ہیں گو بعد میں بعض وجوہ سے پچھتانا پڑا کرتا ہے۔ بلکہ نیچ قوموں میں تو یہ بات بھی ہے کہ جس طرح ہندوؤں میں جس گھر میں بیٹی بیاہی جاتی ہے وہاں کی کوئی چیز ماں، باپ، بہن، بھائی نہیں کھاتے، کیونکہ اُن کے ہاں بیٹی کا بیاہنا دان دینے میں داخل ہے۔ بعض حالتوں میں کُل محلہ جہاں بیٹی جائے داماد کا گھر گردانا جاتا ہے۔

دولت مندوں اور خاص کر اُن کی بیویوں کو ہمیشہ یہ شوق لگا رہتا ہے کہ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے بچّوں کو دولہا بنا کر اُن کی ننھی ننھی دلہنیں گھر میں چھَن چھَن کر کے پھرتے ہوئے دیکھیں۔ چنانچہ ایسے لوگ اکثر پانچ پانچ چھ چھ برس کی عمر میں ہی ان معصوموں کے پاؤں میں پابندی کی بیڑی ڈال دیتے ہیں ان امورات میں عورتوں کے آگے مردوں کی نہیں چلتی۔ البتہ بعض موقعوں پر ایسا ہو جاتا

---

[1] منگیتر یعنی منسوبہ چنانچہ کہاوت ہے کہ بیاہتا چھوڑے منگیتر نہ چھوڑے۔

[2] بروقت پیدائش منگنی ہو جانے کا دستور مغربی افریقہ کے بعض حصّوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر لڑکا ہمیشہ کچھ بڑا دیکھا جاتا ہے لیکن شادی بیس برس کی عمر سے پہلے نہیں ہوتی۔ (انتخاب لاجواب ۸ جون ۱۹۰۴ء)۔

کپڑے کا ننھا ن گٹھڑی میں باندھ کر کوئی گوٹے کناری کی پیٹی بغل میں داب کر کوئی چھالیہ زردہ[1] کی پٹلیاں ہاتھ میں سنبھال کر فروخت کرنے جاتی اور گھر کا حال دیکھ بھال کر چلی آتی ہے۔ اس رسم سے چالاک لوگوں کو جن کے گھر میں کئی کئی بیٹیاں ہوتی ہیں یہ موقع بھی مل جاتا ہے کہ بات کسی لڑکی سے ٹھہرتی ہے اور بروقت دلہن کسی کو بنا کر بٹھا دیتے ہیں جس کے بعد میں بڑے بڑے جھگڑے پڑا کرتے اور دائمی بدمزگی و نااتفاقی کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلا کرتا ہے۔

ہم لوگوں کی ہندی نژاد، ہندی الاصل عورتوں کو ہندوستان کی محبت خیز سرزمین نے صرف اس ملک کی رسموں ہی کا گرویدہ نہیں بنایا بلکہ ان رسموں میں اپنی طرف سے ترقی دینے کا مادہ بھی ان کے پرارمان جیوڑوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔

اہلِ ہند اپنے دھرم شاستر کے موافق چھوٹی عمر میں بیاہ کر دینا داخلِ ثواب و نجات خیال کرتے ہیں اور بڑی عمر میں موجبِ عذاب و مکروہات لیکن ہمارے ہاں کی مستورات نے اس میں بھی یہاں تک ترقی کی کہ پیٹوں اور ولادت کے موقعوں سے یہ بنج شروع کر دیا۔

پیٹوں کا بنج وہ ہے کہ جب کوئی عورت حاملہ ہوتی تو اس سے اقرار و مدار ہو گیا کہ اگر لڑکی ہوئی تو ہمارے فلانے لڑکے سے اُس کا عقد کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ شاذو نادر بات ہے مگر ٹھیکرے کی مانگ نے بہت کچھ رواج پا رکھا ہے اس کا دستور یہ ہے کہ جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو آپس کی رضامندی سے جس چلمچی یا ٹھیکرے یعنی کونڈے میں اسے نہلاتے ہیں اس میں لڑکے کی ماں ایک روپیہ ڈال دیتی یا

---

[1] دہلی میں کھانے کے ہر ایک تمباکو کو زردہ کہتے ہیں۔

گھٹی میں مصری ملا دیتی ہے۔ جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ آج ہی سے یہ لڑکی ہماری منگیتر[1] ہو گئی۔ ہمارے سوا دوسرے لڑکے سے اس کی شادی نہیں کی جائے گی اِسے ٹھیکرے[2] کی مانگ یعنی مولودی نسبت کہتے ہیں اور یہ ایک عجیب و غریب بات ہے۔

اس قسم کی نسبتیں لڑکے لڑکیوں کی ارمان بھری مائیں تجویز کیا کرتی اور جہاں تک بنتا ہے ایسے سیتلا کے کھاجے کم سن بچوں کی شادی کر کے اپنا ارمان نکالا کرتی ہیں گو بعد میں بعض وجوہ سے پچھتانا پڑا کرتا ہے۔ بلکہ بیچ قوموں میں تو یہ بات بھی ہے کہ جس طرح ہندوؤں میں جس گھر میں بیٹی بیاہی جاتی ہے وہاں کی کوئی چیز ماں، باپ، بہن، بھائی نہیں کھاتے، کیونکہ اُن کے ہاں بیٹی کا بیاہنا دان دینے میں داخل ہے۔ بعض حالتوں میں کُل محلہ جہاں بیٹی جائے داماد کا گھر گردانا جاتا ہے۔

دولت مندوں اور خاص کر اُن کی بیویوں کو ہمیشہ یہ شوق لگا رہتا ہے کہ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے بچوّں کو دولھا بنا کر اُن کی ننھی ننھی دلہنیں گھر میں چھن چھن کر کے پھرتے ہوئے دیکھیں۔ چنانچہ ایسے لوگ اکثر پانچ پانچ چھ چھ برس کی عمر میں ہی ان معصوموں کے پاؤں میں پابندی کی بیڑی ڈال دیتے ہیں ان امورات میں عورتوں کے آگے مردوں کی نہیں چلتی۔ البتہ بعض موقعوں پر ایسا ہو جاتا

---

[1] منگیتر یعنی منسوبہ چنانچہ کہاوت ہے کہ بیاہتا چھوڑے منگیتر نہ چھوڑے۔

[2] بروقتِ پیدائش منگنی ہو جانے کا دستور مغربی افریقہ کے بعض حصّوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر لڑکا ہمیشہ کچھ بڑا دیکھا جاتا ہے لیکن شادی بیس برس کی عمر سے پہلے نہیں ہوتی۔ (انتخاب لاجواب ۸ رجون ۱۹۰۴ء)۔

ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زندگی سے مایوس ہوا اور اُسے یقین ہو گیا کہ میرے بعد جہاں میں چاہتا ہوں وہاں ممکن نہیں کہ میرے لڑکے یا لڑکی کی شادی ہو تو وہ جھٹ پٹ یہ امر کر گزرتا ہے یا جو لوگ کسی کی جائیداد پر داؤں لگانا چاہتے ہیں وہ قابو پاتے ہی فوراً اس ترکیب سے رشتہ پیدا کر کے حق دار بن جاتے ہیں ورنہ عموماً پندرہ سولہ برس کی عمر سے بیس پچیس برس کی عمر تک شادی کر دی جاتی ہے۔

اس سے صرف بچپن کی شادی کا اہلِ ہند کے موافق رواج نہیں ثابت ہوتا بلکہ ایک اور بات بھی اُن کے دستور کے موافق برتی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر ایسی حالت میں دولہا کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس بیوہ کو تمام عمر بیٹھ کر رنڈاپا کاٹنا پڑتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں میں بھی اور خاص کر اعلیٰ خاندانوں میں برخلاف شرع بیوہ کا نکاحِ ثانی نہایت معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر منگیتر کا منسوب مر جائے تو بعض گھرانوں میں اسے بھی رانڈ سمجھ کر نکاح سے محروم رکھتے ہیں۔ گو اب یہ رسم اٹھتی جاتی ہے اور بہت جگہ سے اُٹھ گئی، لیکن دیہات کے شرفا میں اب تک نہایت زور اور سختی کے ساتھ اس کا برتاؤ ہے۔

ہندوستان کی تہذیب اور شرم نے بیاہ شادی کے معاملات میں اس قدر دخل پایا ہے کہ جوان بیٹے بیٹی سے بھی اس معاملے میں ان کی ذاتی رائے نہیں لی جاتی اور وہ بھی اپنے منہ سے اقرار یا انکار کرنا سخت بے حیائی و بے شرمی خیال کرتے ہیں۔ پس ماں باپ یا کنبے رشتے کے بڑے بوڑھے ولی بن کر ان بے زبانوں کا رشتہ کر دیا کرتے ہیں۔ اگر پابندِ شریعت لوگوں نے زور ڈالا تو بروقتِ نکاح دلہن کے پاس کھڑے ہو کر اُس کی ماں نے اتنا کہہ دیا کہ بیٹی

تمہارا نکاح فلاں شخص سے پڑھایا جاتا ہے لیکن ایسی صورت میں دلہن کا منہ سے بولنا سخت ندامت و بے شرمی کا موجب ہوتا ہے اور جو بالفرض انکار یا اقرار کے واسطے دلہن کی گردن ذرا ہل جائے تو تمام کنبے رشتے بلکہ شہر میں ناک کٹ جائے اور لوگ طعنے مہنے دینے کھڑے ہو جائیں کہ فلاں شخص کی بیٹی منہ سے بول اٹھی۔

جن لوگوں کے اولاد نہیں ہوتی یا جن کی اولاد نہایت پیاری اور لاڈلی ہوتی ہے اور انہیں ارمان نکالنے کی کوئی اور تقریب ہاتھ نہیں آتی تو وہ گڈے گڑیا کا بیاہ رچا بیٹھتے دھوم دھام سے برات چڑھاتے اور خواہ مخواہ روپیہ ضائع کرتے ہیں۔ اس نکاح کے واسطے فرضی قاضی صاحب بھی تجویز کیے جاتے اور وہ اس طرح دو بول پڑھاتے ہیں۔

ایجاب وقبول

گاجر کی پینڈی گلاب کا پھول کیوں میاں گڈے گڑیا قبول

کالی مرغی سفید انڈے

مہر باندھا بارہ گنڈے

اصل میں تو یہ ایک تک بندی اور ایجاب وقبول کی نقل ہے۔ مگر اس کے معنی لیے جائیں تو یہ ہو سکتے ہیں کہ اس شادی میں مٹھائی کی بجائے گاجر کی پینڈیاں اور ہاروں کے عوض گلاب کے پھول موجود ہیں کیوں میاں گڈے تم گڑیا قبول کرتے ہو یا نہیں۔ جب فرض کر لیا کہ گڈے کو قبول ہے تو مہر کی تعداد اس طرح جتائی کہ مہر میں خواہ کالی مرغی دو خواہ سفید انڈے۔ تمہارا مہر صرف بارہ گنڈے یعنی دھیلے کی کوڑیوں کا باندھا جاتا ہے۔

اس نکاح کے بعد میاں گڈّے کے چالے بھی کیے جاتے ہیں ۔ چوتھی بھی کھیلی جاتی ہے ۔ غرض سارے ارمان اسی میں پورے کر دیے جاتے ہیں ۔ قلعے والوں میں ایسے بیاہ بہت ہوا کرتے تھے ۔ بلکہ میاں بیوی بھی آپس میں اس طرح کا بیاہ رچایا کرتے تھے مگر شہر میں صرف امیر زادیاں اب تک ایسا کرتی ہیں چنانچہ سال گذشتہ میں پنڈت کے کوچے میں ایک ایسا ہی بیاہ ہوا اور اخبار تک میں چھپ گیا ۔ دہلی میں نہیں بلکہ اجمیر اور لاہور میں بھی ایسا ہوا تھا ۔

تصدیق : پیسہ اخبار مطبوعہ ۲ جون ۱۹۰۴ء میں بحوالہ اخبار مفید عام آگرہ درج ہے کہ آج ایک عجیب ـــــ برات نظر سے گزری جس کے آگے باجا گاجا اُس کے پیچھے ایک گھوڑا جس پر ایک شریف صورت شریف خاندان لڑکا سیدھے ہاتھ کے جانب ایک دو بالشت کے دولہا بنے ہوئے گڈّے کو گھوڑے پر لیے بیٹھا ہے دولہا زربفت کی پوشاک سے مزیّن اور پھولوں کے زیور سے آراستہ ہے ۔ دولہا کے پیچھے پالکی میں دلہن سوار ہے ۔ اُس کے پیچھے جہیز کے خوان اور کھانچیاں عورتوں کے سر پر رکھی ہوئی ہیں ۔ جن میں چھوٹے چھوٹے تانبے پیتل کے ظروف چنے ہوئے تھے ۔ پلنگ کی بجائے مسہری ساتھ تھی ۔ وہ صاحب زادے جو گڈّے کو لیے ہوئے بیٹھے تھے کسی مسلمان مرحوم عہدہ دار کے فرزند رشید تھے جنھیں علمی تعلیم کی بجائے گڈّے گڑیا کے بیاہ کی تعلیم دی گئی ۔

تصدیقِ مزید : ۔ اخبار "وکیل" امرت سر ۔ مطبوعہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۵ء نے بحوالہ ، انڈین پیپل ، ایک ہندو صاحب کے ہاں بھی گڑیا کے بیاہ کی دھوم نقل کی ہے ، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کنور کامتا پرشاد صاحب نے جو بلیا کے ڈپٹی کلکٹر ہیں ، اور صوبۂ متحدہ کے ایک بلند نام خاندان کے ممبر بلکہ رکنِ اعظم ہیں ۔ پچھلے دنوں اپنی صاحبزادی کی گڑیا کا بیاہ بڑی دھوم دھام سے کیا جس میں گھوڑے گاڑیوں

کا جلوس سچ مچ کے بیاہ شادی سے بھی کچھ بڑھا ہوا تھا منظوم دعوتی رقعے دور دراز اضلاع میں احباب واقارب کے نام بھیجے گئے تھے ۔ رقعوں میں سامانِ خورد ونوش کی تفصیل بھی درج تھی ، مثلاً دہلی کا سوہن حلوہ ، آگرے کی بنی ہوئی دال ، لکھنؤ کی چکنی ڈلی ، بنارس کے مربّے ، قنوج کے عطریات وغیرہ ۔ ناچ مجرے بھی خوب زور شور سے ہوئے ۔ یہاں تک کہ کنور صاحب نے کسبیوں کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا ۔

جہاں اہلِ اسلام میں چھوٹی عمروں میں شادی روا رکھی گئی ہے ۔ وہاں ایک یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ اکثر خاندانوں میں جب تک نجیب الطرفین بَر نہیں ملتا ۔ تیس تیس چالیس چالیس برس کی عمر تک لڑکی کو بٹھا رکھتے ہیں ، بلکہ عورتیں تو امید میں بوڑھی ہو کر رانڈ کے درجے کو پہنچ جاتی اور آخر کار بن بیاہی مر جاتی ہیں ۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بخلاف صاحبانِ ہنود کہ وہ گوت میں ناتہ نہیں کرتے ۔ مسلمانوں نے اپنی اس شریعت کو ضرور قائم رکھا ہے کہ وہ صرف دودھ کا رشتہ بچا کر آپس میں عقد ومناکحت کر دیتے ہیں ۔ یعنی سگے بھائی ، سگے چچا ، سگے ماموں ، سگے خالو اور دودھ شریک کے سوا سب سے عورت کا نکاح جائز ہے ۔ البتہ اگر پھپھی مر جائے تو بھتیجی کی شادی پھپھا سے ، خالہ مر جائے تو خالو کی شادی بھانجی سے ، ماموں مر جائے تو بھانجے کا عقد ممانی سے ، اور بیوی مر جائے تو سالی سے درست ہے ، لیکن اِس پر عمل در آمد بہت کم ہوتا ہے ۔ اگرچہ شریعت میں سب مسلمان بھائی بھائی ہیں ۔ اور اُن کی شادیاں از روئے شرع ہر ایک مسلمان قوم میں باہم ہو سکتی ہیں ۔ یہاں تک کہ عرب میں تو غلاموں سے بھی انھیں آزاد کر کے شادیاں کر دیتے ہیں ۔ پھر بھی شرفا نے یہ امتیاز رکھا ہے کہ

سیدوں کی سیدوں میں یا شیخوں میں، مغلوں کی مغلوں میں یا پٹھانوں میں شادی کی جاتی ہے مگر آج کل یہ پابندی بھی بالائے طاق ہے اور خاص کر دہلی میں تو کچھ قید ہی نہیں رہی۔ ہاں ادنیٰ قوموں سے ضرور حذر کیا جاتا ہے اور اگر ادنیٰ قوم کا آدمی دولت مند ہو تو وہاں یہ حذر بھی اٹھا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی زادیوں سے شریف زادے بیاہ شادی کر لیتے ہیں گو عام دستور نہیں ہے۔ پہلے اس بات کی بھی آن تھی کہ مغل سیّد کی بیٹی لینا داخل بے ادبی سمجھتے تھے مگر اب یہ بات بھی جاتی رہی۔

یہ بات بھی جاننی چاہیے کہ اہلِ اسلام از روئے شرع ایک وقت میں چار بیویاں کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اُن میں عدل قائم رکھ سکیں۔ ہندوستان کے رواج اور اِس پُرمغز شرط نے انہیں اس امر کا پورا پورا عامل نہیں ہونے دیا۔ ہاں بے شغلے دولت مند یا وہ لوگ جنھیں آسانی سے بلا محنت و مشقت دینی خدمتوں کی آڑ میں تر مال کھانے کو معتقدین مل جاتے ہیں۔ نفسِ لوّامہ کی سچی رائے کو بالائے طاق رکھ کر نفسِ امّارہ کے غلام بن جاتے ، اس ڈھنگ سے نفسانی خواہشوں کو پورا کرتے ہیں۔ وہ نہیں پروا کرتے کہ عرب میں کِن کِن وجوہ سے اس امر کو جائز رکھا گیا تھا اور اب کون کون سے اسباب اس امر کے مانع ہیں۔ نہ تو اب حرموں کے بہم پہنچانے اور گھر میں ڈالنے کا زمانہ ہے اور نہ اس قدر مبادرت کا وقت۔ اس ضروری تمہید کو ختم کر کے اب ہم بیاہ کی رسموں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

بات

لڑکا ہو خواہ لڑکی ، لڑکی کے واسطے بات آنا اور لڑکے کے لیے بات جانا پیغامِ شادی کے لیے مستعمل ہے۔ چونکہ

ہندوؤں[1] کی رسم کے برخلاف مسلمانوں میں ہمیشہ بیٹے کی طرف سے شادی کی درخواست کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے ایک دستی رقعہ جسے اسم نویسی بھی کہتے ہیں عمدہ سنہری ٹکلیوں دار کاغذ پر لکھوا کر اور اسے ایک خوشنما سُرخ رومال میں رکھ کر جس گھرانے میں نسبت ٹھہرانی منظور ہوتی ہے، مشاطہ کے ہاتھ بھیجا جاتا ہے۔ اگر ان لوگوں کو منظور ہوتا ہے تو وہ بطور خود درپردہ خاندان، چال چلن اور آمدنی وغیرہ کی تحقیقات شروع کر دیتے ہیں اسی طرح ادھر کے لوگ بھی اُن کا منشا پا کر اپنے اطمینان کے لیے ان کی کیفیت دریافت کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ رقعہ کا مضمون اس طرح کا ہوتا ہے :-

رقعہ

حافظ سیّد حمید ولد مولینا سیّد احمد ولد حافظ سیّد محمدؒ امام جامع مسجد حسینی سیّد، نانا منشی سیّد احمد دہلوی ولد حافظ سیّد عبدالرحمٰن ولد مولوی سیّد خواجہ علی حسنی سیّد از سادات بخارا پیشہ امامت و تعلیم و تعلّم۔

چونکہ بندے کی ددھیال اور ننہیال اہلِ شہر سے پوشیدہ نہیں ہے اور اوقات بسری کو خدا کا دیا سب کچھ موجود ہے اور والد صاحب کی بالاستقلال معقول آمدنی ہے اگر آپ بندے کو اپنی فرزندی میں قبول فرما کر فخر بخشیں تو زہے قسمت۔

---

[1] بیٹی کی طرف سے بَر تلاش کرنا ہندوستان کا قدیمی دستور رہا ہے یہاں تک کہ ٹھیٹھ ہندی گیتوں اور نظموں میں خاوند کا عشق بھی عورتوں ہی کی طرف سے باندھا گیا ہے اور آج تک جس قدر گیت مروّج ہیں اِن سب میں یہی بات موجود ہے۔

فقط۔ وابستۂ امید حافظ سید حمید دہلوی

مورخہ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۰۴ء

امام کی گلی، دہلی۔

جس وقت طرفین کے آدمی حسب، نسب، چال چلن اور عمر[1] وغیرہ کو مختلف ذریعوں سے دریافت کر لیتے اور جانبین کا اطمینان ہو جاتا ہے تو منہ میٹھا کرنے کا دن مقرر کر کے اظہار نسبت کے واسطے عورتوں اور چند مرد دلہن کے گھر جاتے اور منگنی کی رسم ادا کر کے چلے آتے ہیں۔ بعض گھرانوں میں منگنی سے پہلے دولہا کو دیکھنے کے واسطے بھی بلاتے ہیں۔

منگنی

اس رسم میں دولہا کے ہاں سے چند مرد اور قریبی رشتے کی دس پانچ سے لے کر سو پچاس تک عورتیں دلہن کے گھر مٹھائی کے خون اور چڑھاوا لے کر جاتی ہیں۔ اصل میں دستور عورتوں ہی کے جانے کا ہے۔ مرد صرف سواریاں اتروانے اور سوار کروانے اور محافظت کے واسطے ہمراہ کر دیے جاتے ہیں۔

مٹھائی سے مراد بڑے بڑے بالوشاہی اور مصری کے نو سے لے کر گیارہ تک کوزے ہیں۔ مٹھائی کی مقدار حیثیت پر موقوف ہے۔ سوا من سے لے کر پانچ سات من تک لے جا سکتے ہیں۔

مصری کے کوزوں میں سے کم سے کم ایک پر زیادہ سے زیادہ چار پانچ پر

[1] لڑکا عموماً ۱۸ سال لڑکی ۱۴ سال۔ اگر لڑکی پندرہ برس کی اور لڑکا ۲۵-۲۶ کا ہو تو مضائقہ نہیں۔

چاندی کے ورق لگا دیتے ہیں۔ دلہن کو انہی میں سے سات یا نو ڈلیاں توڑ کر کھلائی جاتی ہیں۔ اور دولہا کے واسطے بھی انہی میں سے ورق لگا ہوا کوزہ واپس آتا ہے، بلکہ آدھی مٹھائی بھی۔ صرف یہی سامان نہیں، پانوں کے لقمے اور زیور کی رقمیں بھی ہمراہ جاتی ہیں۔ ان لقموں یعنی بیڑوں کو بھی چاندی یا سونے کے ورقوں سے منڈھ دیتے ہیں۔ انہی میں سے مصری کی ڈلیوں کے بعد ایک لقمہ دلہن کو کھلایا جاتا ہے۔ بیڑوں کے خون، ہاروں کے خون، پھولوں کا گہنا اور چڑھاوے کی پانچ رقمیں یا چھلّا انگوٹھی ملا کر سات چیزیں بھی ایک چاندی یا تانبے کی ڈبیا میں چنگیر پاندان کے بیچوں بیچ رکھ دیتے ہیں یہ سب چیزیں بیس پچیس خونوں میں لگا کر اوپر سے زرق برق خوان پوش ڈال کر قطار سی بنا کر ساتھ ساتھ لے جاتے ہیں۔ بلکہ سمدھنوں کے اترنے سے بیشتر یہ چیزیں گھر کے اندر بھیج دی جاتی ہیں، تاکہ پھولوں کے ہار جو سمدھنوں کے گلوں میں پیشوائی کے وقت ڈالے جاتے ہیں پہلے سے پہنچ جائیں۔

پھولوں کا گہنا سہرے کے سوا سب ہوتا ہے، یعنی دھگدی، چمپاکلی، جگنی، کرن پھول، جھمکے، ہاتھوں کے چاروں گجرے، دونوں بازوبند، ایک ٹیکا، ایک بٹوہ، اس کے علاوہ ایک کارچوبی بٹوہ بھی رومال میں بندھا ہوا دلہن کے ہاتھ میں دینے کے واسطے ہمراہ ہوتا ہے۔

امیروں میں پھولوں کے ہاروں کے بجائے دھنک یعنی گوٹے کے ہار ساتھ لے جاتے ہیں۔ انگوٹھی سونے کی اور چھلّا چاندی کا ہوتا ہے۔ باقی رقمیں خواہ جڑاؤ خواہ نرے سونے کی ہوتی ہیں۔ منگنی کا سامان کہاریوں، چماریوں وغیرہ کے سروں پر جاتا ہے اور پھولوں کا گہنا نائی کے کندھے پر۔ ہر ایک چیز کسنوں میں کسی ہوئی اوپر کشتی پوش خواہ نورہ پوش پڑا ہوتا ہے۔

جس وقت سمدھنیں دروازے پر اترتی ہیں تو دلہن والیاں پہلے سے پیشوائی

کے واسطے وہاں موجود ہوجاتی ہیں۔ ہر ایک سمدھن کے ماتھے پر انگلی سے صندل لگاتی اور ایک ایک ہار ان کے گلے میں ڈالتی جاتی ہیں۔

سمدھنیں ہار پہن پہن کر کمروں یا دالانوں میں گاؤتکیوں سے لگ لگ کر بیٹھتی جاتی ہیں۔ جب سب بیٹھ جاتی ہیں تو دلہن کے رشتے دار دلہن کو گود میں اٹھا کر لاتے، بیچوں بیچ صدر میں قبلہ رو بٹھاتے اور رسمیں شروع کرا دیتے ہیں، دلہن کی پوشاک سُرخ ہوتی ہے۔

بڑا سا گھونگٹ نکلا ہوا کمر حد سے زیادہ جھکی بلکہ ٹھوری گھٹنے پر لگی ہوئی ہوتی ہے۔ جب دلہن آکر بیٹھ جاتی ہے تو دلہن کی سگی نندیں یا دیورانیاں یعنی دولہا کی بہنیں خواہ بھاوجیں سب سے پہلے پھولوں کا گہنا اس کے بعد چڑھاوے یعنی زیور کی رقمیں پہناتی ہیں۔ سونے کی انگوٹھی اور چاندی کا چھلّہ دائیں ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں پہنایا جاتا ہے بعد ازاں ورق لپٹے ہوئے کوزے میں سے مصری کی سات یا نو چھوٹی چھوٹی ڈلیاں توڑ کر موجودہ سات سہاگن عورتوں میں سے ہر ایک عورت ایک ایک ڈلی باری باری سے دلہن کے مُنہ میں دیتی ہے۔ دلہن چپکے چپکے منہ میں جمع کرتی جاتی ہے اور منہ بچا کر اپنے رومال میں رکھ دیتی ہے۔ جب ساتوں ڈلیاں کھلا چکتے ہیں تو پان کا لقمہ دلہن کے منہ میں دیتے ہیں وہ اسے بھی موقع پا کر رومال میں رکھ لیتی ہے۔

پان یعنی بیڑا کھلانے کے بعد دلہن سے اُس کے دونوں ہاتھوں کی لپ بنوا کر اس میں روپے اور اشرفیاں رکھ دیتے اور اسی کو روپ درشن کہتے ہیں۔ روپ درشن کی اصطلاح اور الفاظ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ رسم بھی اہلِ ہند سے لی گئی ہے۔ جس کے معنی نظارۂ حسن ہیں اور ہم اسے منہ دکھائی یا دیدار نمائی کہہ سکتے ہیں۔

اس موقع پر دولہا والیاں دلہن کے چہرے مہرے چھب تختی اور حُسن و جمال کو بخوبی دیکھ بھال لیتی ہیں۔ بعض عورتیں اس وقت دلہن کے ہاتھوں سے بیڑے کھلوا کر اپنی کنواری لڑکیوں کو کھلاتی ہیں، تاکہ ان کا نصیبا بھی اس طرح جلد کُھلے، یعنی جلدی سے بیاہ ہوجائے۔

کارچوبی بٹوہ مع رومال دلہن کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے[1]۔

جب یہ رسمیں ختم ہوجاتی ہ[illegible] دلہن والیاں جس طرح گود میں اٹھا کر لاتی ہیں اسی طرح گود میں چڑھا کر لے جاتی ہیں۔ آپس میں مبارک سلامت کی دھوم مچ جاتی ہے۔ دولہا والیاں دولہا کی ماں اور بہنوں کو، دلہن والیاں دلہن کی ماں اور بہنوں کو مبارک باد دیتی ہیں۔

سمدھنوں کو چونکہ کنوارے ناتے یعنی قبل از نکاح گھر پر پان نہیں کھلاتے اس سبب سے چلتے وقت پانوں کی ڈھولیاں، بن سپاری کی تھالیاں، چھالیہ زردہ، الائچیاں وغیرہ سجا کر کشتیوں میں ہمراہ کر دیتے ہیں۔

منگنی کے روز کی مزدوری کہاریوں اور چماریوں وغیرہ کو دلہن والے ہی دیتے ہیں۔ اسی رسم کو نشان چڑھانا کہا کرتے ہیں۔

جب دولہا والے اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں تو دلہن کی طرف سے چند آدمی مٹھائی مصری کا کوزہ، پان کے بیڑے، انگوٹھی، چھلّا، پھولوں کی بدّھی، طُرّہ وغیرہ لے کر دولہا کے گھر پر آتے اور نشان چڑھا کر اُلٹے چلے جاتے ہیں۔ اہلِ قلعہ کے ہاں دلہن والے دوسرے روز آیا کرتے تھے مگر شہر میں ایک ہی روز دونوں کی طرف

---

[1] اور ساتھ ہی امام ضامن کا روپیہ دائیں بازو پر باندھ دیا جاتا ہے جو دلہن کے مخصوص ہوجانے کی علامت ہے۔

سے یہ رسم ادا ہو جاتی ہے۔ اس میں چاہے جس قدر رات گزر جائے۔ اسی رسم کو دولہا کا منہ میٹھا کرنا کہتے ہیں۔ دولہا والے ان لوگوں کی حقّے اور پانوں وغیرہ سے مدارات کرتے ہیں۔

منگنی کے بعد ہر تیج تہوار کو لینے دینے کی رسمیں جاری ہو جاتی ہیں۔ مثلاً جب شب برات ہوئی تو دولہا کے ہاں سے دلہن کے لیے آتشبازی، مہندی چوڑیوں کے جوڑے، مٹھائی کے خون گئے۔ اسی طرح وہاں سے دولہا کے واسطے آتشبازی مٹھائی وغیرہ آئی۔ رمضان ہوا تو روزہ کشائی کے خون اِدھر سے بھی گئے، اُدھر سے بھی آئے۔ عید ہوئی تو بٹوے میں عیدی کے روپے، اگر بہت بڑا امیر گھر ہوا تو چھوٹی سی کشتی میں اشرفیاں، چوڑیوں کے جوڑے، مہندی، مٹھائی کھیلوں کے خون گئے اور مردانہ چیزیں اُدھر سے آئیں۔ بکرید ہوئی تو قربانی کے بکرے، عیدی کے روپے، اشرفیوں کا بٹوہ، مہندی، چوڑیاں چھوڑ کر یہی چیزیں دلہن کی طرف سے آئیں۔ محرّم ہوا تو شیشے کی پیٹیاں ان میں کھانے کا گوٹہ[1] بن ڈلیاں، الائچیاں ورقوں میں منڈھی ہوئی بھر دیں۔ کھیر کی فقلیاں ساتھ رکھ دیں۔ میٹھے کے کونڈے بھیج دیے اور محرم کی رسم سے فارغ ہو گئے۔ اسی طرح دلہن والوں نے کیا۔ نوروز[2] ہوا تو سات رنگ کی مٹھائی، نوروزی رنگ کا جوڑا ادھر سے گیا

۱؎ گوٹہ سے مراد بن دھنیہ، کھوپرا، الائچیاں، چھالیہ، خربوزہ کے بیج وغیرہ اشیا سے ہے جو محرم میں پان کی بجائے کھاتے ہیں۔

۲؎ نوروز، دیوالی، آخری چہار شنبہ وغیرہ کا دستور اہلِ قلعہ میں خاص کر اور دیگر امرا میں شاذ و نادر ہے بلکہ غدر کے بعد سے اہلِ قلعہ بھی ان رسموں کو بھول گئے۔

ادھر سے آیا۔ دوالی ہوئی تو دوالی کے کھلونے، کھیلیں بتاشے، کھانڈ کے کھلونے، ٹھریاں، گنّوں کی پھاندیاں، دونوں طرف سے آئیں گئیں۔ آخری چہار شنبہ ہوا تو کوری ٹھلیاں دلہن کے اوپر سے تصدّق کر کے توڑنے کو، ان میں روپے اور ٹکے حلال خوری کے دینے کو اِدھر سے گئے اُدھر سے آئے۔ ساونی[1] میں ساونی یعنی جھولے کے لیے رنگین کھم، ریشمی رسّے، لال لال پٹریاں، چاندی کی کھڑاویں لال جوڑا، چوڑی، مہندی آم، اندرسے، دولہا کی طرف سے بھیجے گئے اور مردانہ چیزیں ادھر سے آئیں۔ علیٰ ہذا پھول والوں کی سیر پر سونے چاندی کی انگوٹھی، چھلّے، قطب کے پراٹھے، کھجلے، پنکھیاں، پنیر کی چکتیاں، سترھویں پر مٹھائی کھلونے بھیجے جاتے اور حصّہ بخرا شروع ہو جاتا ہے۔ غرض ہر ایک چیز پہلے دولہا کی طرف سے جاتی ہے۔ دلہن والے جوڑے، مہندی، روزہ کشائی، کھم، پٹریاں، کھڑاویں، جھولے کا رسّا میلوں کی سوغات تو رکھ لیتے ہیں، باقی سب چیزیں سوائی کر کے ٹوپیاں وغیرہ بڑھا کے بھیج دیتے ہیں۔ چیزیں سارے کنبے میں تقسیم ہو جاتی اور دونوں کے دل یعنی فیاضیاں دیکھ لی جاتی ہیں۔ جو لوگ سوگ یا کسی اور وجہ سے منگنی نہیں کر سکتے وہ امام ضامن[2] کا روپیہ اُدھر

۱؎ ساونی۔ ہندوؤں میں اسی کو سندھارا کہتے ہیں۔

۲؎ امام ضامن، حضرت امام علی رضا خلفِ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا جو آٹھویں امام ہیں، عرف ہے۔ آپ خلفائے عباسیہ میں سے مامون ابنِ ہارون رشید کے زمانہ ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ چونکہ آپ کے زمانہ میں خلفائے وقت نے کربلائے معلّٰی جانے کے واسطے سخت پابندی کر دی تھی، پس آپ ان کے ضامن اور کفیل ہو جایا کرتے تھے، تاکہ زائرین ثوابِ زیارت سے محروم نہ رہیں۔ آپ

جاکر دلہن کے دائیں بازو پر اور ادھر وہاں کے لوگ آکے اسی بازو پر باندھ جاتے ہیں۔ یہی نسبت خیال کرلی جاتی اور لین دین شروع ہوجاتا ہے۔

بیاہ مانگنا

جب حصّہ بخرہ کھاتے کھلاتے کچھ عرصہ گزر جاتا اور لڑکا ہوشیار ہوجاتا ہے تو دولہا کی طرف سے دولہا کی ماں بہنیں اور قریبی رشتے کی عورتیں مٹھائی کے خون ساتھ لے کے، امیروں میں باجے گاجے سے، غریبوں میں چُپ چُپاتے کوئی اچھا دن دیکھ کرلے جاتی ہیں اور تاریخ ٹھہراکر واپس چلی آتی ہیں۔ یہاں آکر بہنیں صندل سے ڈھول[1] چھاپتی ہیں۔ بہنوئی باہر نوبت چھاپ کر اپنا اپنا نیگ مانگتے ہیں۔ امیروں میں بیاہ سے پہلے تورے[2] بندی کی جاتی ہے۔ جن میں مختلف قسم کے اعلیٰ درجے کے کھانے، ایک ایک یا دو دو خونوں میں لگاکر، تورہ پوش ڈھک کر بہنگیوں میں رکھ کے ہر ایک کے گھر ایک ایک دو دو اپنے اپنے

(بقیہ صفحہ ۱۱۳ سے آگے) نے ۵۵ سال کی عمر میں ۲۰۲ھ بمقام طوس رحلت فرمائی۔ مسلمان عورتوں کا اعتقاد ہے کہ ان کے نام کا روپیہ باندھنے سے وہ کام ضرور ہوجاتا اور آپ ہر ایک مشکل کے کفیل بن جاتے ہیں۔ چنانچہ سفر میں جاتے وقت بھی یہ عمل کیا جاتا ہے۔

[1] اب یہ دستور جاتا رہا، اہلِ قلعہ میں اس کا رواج بہت تھا۔

[2] تورہ، ترکی لفظ بمعنی حصّہ ہے ـ مگر ہندوستان میں خاص خاص طریقے اور انواع واقسام کے کھانوں سے مخصوص ہوگیا ہے۔ جس کی تفصیل بخوفِ طوالت چھوڑ دی جاتی ہے۔

برتاؤ کے موافق تورے بھیجتے ہیں۔ اِدھر دلہن کو زرد کپڑے پہناکر مائیوں بٹھاتے ہیں اُدھر دولہا کو برات سے ایک دو روز پیشتر برائے نام مائیوں بٹھادیتے اور بیاہ کی تیاریوں میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

پہلے تو دلہن کو پندرہ روز پہلے سے مائیوں بٹھاکر غریب کو ناتواں اور سو بیماروں کا ایک بیمار بنادیتے تھے مگر اب زیادہ سے زیادہ گیارہ روز پیشتر اور کم سے کم سات دن پہلے مائیوں بٹھادیتے ہیں۔ جس نے اوّل اوّل اس رسم کی بناڈالی غالباً اُس کا خیال یہ تھا کہ اِدھر دلہن رات دن دولہا کا تصور باندھ کر اُس کی طرف اپنی طبیعت اور میلانِ خاطر کو رجوع کرے اُدھر دولہا سب طرف سے دِل ہٹاکر اپنی دلہن کا خیال باندھے، مگر اب تو یہ صرف ایک تکلیف دہ رسم رہ گئی ہے۔

مائیوں بٹھانا

جب بیاہ کے سات یا گیارہ روز رہ جاتے ہیں تو قریبی رشتے کی عورتوں کو بلاکر دلہن کے گھر میں اُس کے کپڑے یعنی کرتا پائجامہ اور دوپٹہ زرد رنگا جاتا ہے، اِن کپڑوں کو بہنیں رنگتی اور دلہن کی ماں سے اس کا نیگ یعنی انعام لیتی ہیں۔ دلہن کے کھانے کو پینڈیاں[1] بنائی جاتی ہیں۔ اور دلہن کو مائیوں بٹھانے کے واسطے نہلایا دھلایا اور سر گوندھ کر تیار کیا جاتا ہے۔ شام کو چوکی بچھاکے اس پر سوزنی کا فرش کرتے، دلہن کو زرد کپڑے پہناتے اور بٹھاتے ہیں۔ پہلے بہنیں ملیدے کے سات نوالے کھلاتی اور اُس کے ہاتھ پر ابٹنا[2] رکھتی ہیں تاکہ اس کا بھی

---

[1] پینڈیاں ایک قسم کے لڈو ہیں جو میدے کو گھی میں بھون کے اس میں کھانڈ اور میوہ ملاکر بنائے جاتے ہیں۔

[2] صابن کی بجائے ایک خوشبودار مصالحہ رنگ نکھارنے اور بدن کو خوشبوناک (بقیہ صفحہ ۱۱۶ پر)

نیگ ملے ۔ اس کے بعد دلہن کی ماں اس کے دونوں ہاتھوں پانچ روپے، ایک پان، سات پینڈیاں رکھ کر کہتی ہے کہ "بیٹی ہم تمہارے فرض سے ادا ہوئے"۔ بعد ازاں دلہن کی بہن یا بھاوج گود میں اُٹھاکر اسے کوٹھری میں لے جاتی اور پلنگ یا چارپائی پر بٹھا دیتی ہے، جہاں غریب کو قیدیوں کی طرح برات تک بیٹھنا پڑتا ہے۔ آج کی تاریخ سے بلاناغہ دلہن کا رنگ نکھرنے کے واسطے اُبٹنا ملا جاتا ہے۔ چونکہ اِس رسم میں مانجھے پر بٹھانا ضرور ہے اور مانجھا پنجابی زبان میں پلنگ یا چارپائی کو کہتے ہیں۔ پس اسی سے مانجھے بٹھانا، پھر مائیوں بٹھانا بن گیا۔ (یہ رسم غالباً پنجاب سے آئی ہے) اس وقت موجود عورتیں دلہن کی ماں کو مبارکباد دیتی ہیں۔ آج سے لڑکی کسی مرد کے سامنے نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ باپ اور بھائی بھی اُس کے سامنے نہیں آسکتا۔ دودھ اور مٹھاس[۱] کے سوا دلہن کو نمکین چیز نہیں کھلائی جاتی۔ جس وقت دلہن کو چوکی سے اٹھاکر لاتے ہیں تو عورتیں اپنے کسی لڑکے یا لڑکی کو جس کی شادی جلد منظور ہوتی ہے اس چوکی پر اس خیال سے فوراً بٹھا دیتی ہیں کہ اس کا نصیبہ بھی جلدی

(بقیہ صفحہ ۱۱۵ سے آگے) بنانے کے واسطے تیار کیا جاتا ہے جس میں بھُنے جو اور بھُنی ہوئی ہلدی، کھلی، چھیل چھبیلا، ناگر موتھا، تج، بلی لوٹن، تیزپات یہ خوشبودار چیزیں ہوتی ہیں۔ انہیں پیس کر پانی اور تیل ملاکر گوندھ لیتے ہیں۔

[۱] مٹھاس کھلانے کی دو غرضیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اُس کا رنگ نکھرے دوسرے یہ کہ بھوک بند ہوجائے تاکہ سُسرال میں جاکر حاجاتِ ضروری کی تکلیف نہ اٹھائے اور نیز بھوک نہ ستائے۔ کیونکہ دلہن کا پیٹ بھر کر یا زیادہ کھانا اُس کی نہایت بے شرمی اور بدتہذیبی پر دال ہے۔

کھلے، یعنی جلد بیاہ ہو جائے۔

دلہن کا جھوٹا گندھا ہوا ابٹنا ایک لگنی میں اور ڈھائی سیر اُبٹنا کشتیوں میں لگاکر کم سے کم سوا سو، زیادہ سے زیادہ پانچ سو پینڈیوں کے ساتھ مع سامان دیگر دولہا کے ہاں دلہن کی ماں کی طرف سے بھیجا جاتا ہے۔ اُبٹنے کے ساتھ یہ سامان ہوتا ہے۔ اُبٹنے کی لگنی، کٹورا، تشتری، سلپچی، آفتابہ، لوٹا، نتیڑا، رکابی کا جوڑ مع سرپوش جس میں وَرَق لگی ہوئی پینڈیاں بھری ہوئی ہوتی ہیں۔، گیارہ رومال، نہانے کی چوکی، سوزنی، دو لنگیاں، زرد کپڑے یعنی مائیوں کا جوڑا، تیل یعنی پھلیل کی شیشی، چادر وغیرہ۔ جس طرح یہاں دلہن کو مائیوں بٹھاتے ہیں، اسی طرح وہاں دولہا کو ایک دو روز بیشتر بٹھا دیتے ہیں۔ لیکن وہ پابند ہوکر نہیں بیٹھتا۔ نظر گزر سے بچنے کے واسطے جاہلوں یا نیچ قوموں میں اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار یا لوہے کا گز یا چاقو وغیرہ دے دیتے ہیں تاکہ زخمِ چشم سے محفوظ رہے۔

جس روز دلہن مائیوں بیٹھتی ہے۔ اُس روز سے دلہن کے گھر میں اور جس روز دولہا مائیوں بیٹھتا ہے اس روز سے دولہا کے گھر میں ہم عمر لڑکی بالیاں اور جان جوان عورتیں آپس میں مل کر سہاگ، سہاگ گھوڑیاں گاتی ہیں جن کا مضمون دونوں کے دلوں میں شوق پیدا کرنے اور توجہ دلانے والا ہوتا ہے۔ امیروں میں ڈومنیوں کو بھی ایسے موقع پر بلا لیتے ہیں۔ چنانچہ نمونتاً دو ایک سہاگ، سہاگ گھوڑیاں لکھی جاتی ہیں:۔

سہاگ گھوڑیاں

ناجوری گھونگٹ کھول! گھونگٹ میں تیرے چندر بست ہے۔
لال لگے انمول۔ ناجوری گھونگٹ کھول

مطلب :-

دولہا اپنی دولہن کو ناجوری یعنی ناز پروردہ اور لاڈو کہہ کر منّت کرتا ہے کہ تو اپنی نقاب اٹھاکر مجھے صورت دکھا۔ تیرے گھونگٹ میں چاند رہنا ہے جس میں بیش قیمت لعل جڑے ہوئے ہیں۔ غرض بار بار یہی کہتا ہے۔

دیگر

اے میری نیدان بنّو! بازوبند ڈھیلے، نین تیرے رسیلے
بازو تیرے جوشن سوہیں اور اکوں کی جوڑی
اے میری نیدان بنّو! بازوبند ڈھیلے، نین تیرے رسیلے
ہاتھوں تیرے پہنچیاں سوہیں اور کنگن کی جوڑی
پیروں تیرے جھانجن سوہیں اور چوڑیوں کی جوڑی
اے میری نیدان بنّو! بازوبند ڈھیلے، نین تیرے رسیلے

مطلب :-

دولہا کہتا ہے کہ میری نادان یعنی کم سن دلہن تو ایسی بھولی اور الہڑ ہے کہ تجھ سے بازوبند بھی کھینچ کر نہیں بندھے، ڈھیلے پڑے ہیں۔ یہ تیرا بھولا پن مجھے نہایت بھایا۔ اِس کے سوا دوسری خوبی تجھ میں یہ ہے کہ تیری آنکھیں رسیلی یعنی قدرتی مدبھری ہیں۔ تیرے بازوؤں پر اکوں کی جوڑی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ تیرے ہاتھوں میں پہنچیاں اور کنگن کی جوڑی زیب دے رہی ہے۔ تیرے پاؤں میں جھانجن اور چوڑیاں جوبن دکھا رہی ہیں۔

دیگر

کھائے نہ جانے بینڈیاں لاڈو میری باندھے نہ جانے بند
سیانی ہونے دو

باوا نے کَس دیا ڈولا، اماں بیوی جانے نہ دے
سیانی ہونے دو
چچا نے کَس دیا ڈولا، چچی بیوی جانے نہ دے
سیانی ہونے دو
بھائی نے کَس دیا ڈولا، بھابو بیوی جانے نہ دے
سیانی ہونے دو

علیٰ ہذا ہر ایک رشتے دار کا نام لے لے کر یہی فقرہ کہا جاتا ہے۔

مطلب :-

دلہن والیاں اپنی دلہن کی تعریف کر کے دولہا سے کہتی ہیں کہ ہماری ناز پروردہ لڑکی ایسی کمسن اور کم عمر ہے کہ ابھی تک نہ تو وہ (اپنے ہاتھ سے) بینڈیاں کھانی جانتی ہے اور نہ بازوبند کے بند ہی اُسے باندھنے آتے ہیں۔ ذرا سیانی ہو جانے دو۔ باوا نے رخصت کے واسطے (بیدردی سے) ڈولا کس دیا، لیکن ماں اسے نہیں جانے دیتی اور یہ بھی کہتی ہے کہ ابھی وہ یانی اور بھولی بھالی ہے۔ وہ سمدھیانے کے طریقوں کو کیا جانے گی۔ چچا نے بھی چونکہ مردوں کو محبت کم ہوتی ہے ڈولا لا کھڑا کر دیا مگر چچی جو عورت ذات یعنی رحم دل ہے، اپنی بھتیجی کو رخصت نہیں کرتی۔ علیٰ ہذا بھائی، پھوپا، خالو وغیرہ کا نام لے کر اسی طرح گائے چلے جاتے ہیں۔

دیگر

آیا ری لاڈو نیرا بنّا بن آیا — منہ مقنع سر سہرا براجے
اچھی بنّو گھر لایا اللہ بنی کا سایا — آیا ری لاڈو نیرا بنّا بن آیا
سہرے والا ری بنّا ہریالا ری بنا — آیا ری لاڈو نیرا بنّا بن آیا

مطلب :-

لاڈو تیرا دولہا بناؤ کر کے بن ٹھن کے آیا ہے۔ اس کے منہ پر زرّیں مقنع سر پر سہرا زیب دے رہا ہے۔ وہ تجھ جیسی خوبصورت بنڑی اپنے گھر لایا ہے۔ دونوں پر اللہ اور نبی کا سایا ہے۔ یہ بنڑا سہرے والا بھی ہے اور ہریالا، یعنی خوش و خرّم اور ترو تازہ بھی ہے۔

دیگر

سگھڑ میرے بنڑے بنّو مانگے گی رنگ رلیاں

چتر میرے بنڑے بنّو مانگے گی رنگ رلیاں

مطلب:-

اے میرے خوش سلیقہ اور سگھڑ دولہا! تیری بنّو عیش و عشرت کی خواہش کرے گی۔ اے میرے ہوشیار اور چتر بنڑے، تیری دولہن رنگ رس کی باتیں چاہے گی، تو اپنے سگھڑاپے پر حرف نہ آنے دیجو۔

اُبٹنا[1] کھیلنا

دولہا دلہن کو مائیوں بٹھانے کے بعد نیز ساچق کے دن اندر عورتوں میں باہر لڑکے بالوں اور مردوں میں ابٹنا کھیلا جاتا ہے۔ اس وقت بالکل ہولی اور رنگ پاشی کا سماں بندھ جاتا ہے۔ دلہن کے رشتے دار دلہن کے ہاں دولہا کے رشتے دار دولہا کے ہاں ابٹنا کھیلتے ہیں۔ سالے، بہنوئی، نندیں، بھاوجیں، غرض سب مل کر دھونک دھیّا اور اودھم مچاتے ہیں۔ کسی کے منہ کو کسی کے

[1] ہلدی اور جو کا بھُنا ہوا آٹا، کھلی، چھیل چھبیلا، ناگر موتھا، تج، بالچھڑ، نیز پات اور نیل ڈال کر پانی میں گھولا جاتا اور منہ پر صفائی کے واسطے ملا جاتا ہے۔

سر کو کسی کی آنکھوں کو کہیں زبردستی کہیں خوشی سے ملتے ہیں۔ عورتیں عورتوں سے کی، مرد مردوں کی، خوب گت بناتے ہیں۔ بڑے بڑے لگنوں میں ابٹنا گھولا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو خوب لتھیڑتا اور ہر ایک آپ آپ کو بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ اس کے بعد نہا دھو کر ساچق کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔

اہلِ قلعہ میں تو دولہا والے دلہن والوں کے ہاں اور دلہن والے دولہا والوں کے ہاں ابٹنا کھیلنے جایا کرتے تھے بلکہ اب بھی اِن لوگوں میں یہ رواج پایا جاتا ہے۔

ساچق

ایک ترکی لفظ بکسرِ جیم فارسی ہے مگر بفتحِ جیم فارسی رسم شادی میں مستعمل ہے۔ اصل رسم حنابندی کا نام ساچق ہے۔ اس میں اشیائے ذیل جنھیں بری[1] کہتے ہیں۔ بَر یعنی دولہا کی طرف سے دلہن کے ہاں آرائش اور باجے گاجے کے ساتھ جاتی ہے جس میں کنبے کی عورتیں اور چند مرد بھی ہمراہ ہوتے ہیں۔ ساچق چڑھنے کا وقت سہ پہر سے مغرب تک ہے۔ بعض اوقات دلہن کے گھر تک پہنچتے پہنچتے رات بھی ہو جاتی ہے۔ امیروں کے ہاں چاندی کا

[1] بَری دو طرح کی ہوتی ہے ایک پکّی بَری جیسے یہاں لکھی جاتی ہے۔ دوسری کچی جس میں اشیائے مخصوصہ کی بجائے نقد روپیہ لے لیا جاتا ہے۔ دہلی سے اس کا دستور اٹھ گیا۔ شاذ و نادر غریب یا وہ شخص جس کا کنبہ اس قدر نہیں ہو تاکہ اتنا سامان ان میں تقسیم کیا جائے، کچّی بَری مانگ لیتا ہے، مگر یہ طریقہ داخلِ عیب ہے۔ البتہ باہر والوں میں یہ دستور ابھی تک بعض خاندانوں میں مروّج ہے۔

سہاگ پُڑا[1] اس میں دو سونے چاندی کی کنگھیاں، سہاگ کا عطر[2] اور پھلیل منقش شیشوں میں سرخ کاغذ کی سنہری کٹوریاں لگی ہوئی، تھیلی جس کے اندر چھیل چھبیلا ناگرموتھا، بالچھڑ، چھوٹی الائچیاں، کپور، کچری، لونگیں، چنبہ کی جڑ، ہلدی، جوز، جوتری، تیز پات، صندل، زعفران، مشک دانہ اور مسّی کی دو پڑیاں ہوتی اور اسی کو سہاگ پُڑا کہتے ہیں۔ گلاب کے نقاشی شیشے ایک چاندی کے چوگھڑے میں رکھے ہوئے (چاندی کی چار ٹھلیاں، دو میں دودھ، دو میں شربت بھرا ہوا۔ ان کے گلے میں سونے چاندی کی مچھلیاں کلاوے سے بندھی ہوئی) سوا پانچ سیر کھانڈ، پانچ سیر قند، ڈھائی سیر مہندی کے تین پُڑے باوا فرید[3] کے نام کے جن پر سونے روپے کے خول چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ گیارہ سیر مہندی پانچ سیر کلاوے، پچیس من نُقل[4]

۱؎ سہاگ پُڑا ایک بہت بڑی کاغذ کی تھیلی جس میں خوشبو کی اَدویات ہوتی ہیں اور وہ ریت رسم کے موقع پر دولہا سے اور سہاگنوں سے پسوا کر دلہن کی مانگ میں لگایا جاتا ہے۔

۲؎ سہاگ کا عطر جو خوشبودار اَدویات سے تیار کیا جاتا ہے اس میں اکثر وہی چیزیں ڈالی جاتی ہیں جو سہاگ پُڑے میں ہوتی ہیں۔

۳؎ بابا فرید حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے مراد ہے۔ جو ایک مشہور ولی کامل خاندانِ چشتیہ سے ۶۶۴ ہجری میں گذرے ہیں۔ آپ کا مزارِ پُرانوار پٹن واقع مُلک پنجاب میں جسے پاک پٹن بھی کہتے ہیں، اب تک زیارتگاہ خاص وعام ہے۔

۴؎ نُقل ایک قسم کی شیرینی جس کے اندر پستے یا چنے یا بادام رکھ کر گول گول لڈو سے بنا دیتے ہیں۔

پانچ من قرص[1] گیارہ من میوہ، نُقلوں، قرصوں اور میووں کی خونیں پہلے روانہ کردی جاتی ہیں، باقی سب چیزیں خونوں میں لگا کر ساتھ لے لی جاتی ہیں۔

ان کے علاوہ ایک جوڑا برات کا جس میں اساوری یا کسی اور کپڑے کا ایک ہرا پاجامہ، آنچل پلّو کا لال دوپٹہ اور لال ہی کرتا مصالحہ ٹکا ہوا، تمامی کی پشواز، گھتیلی جوتی۔ دوسرا جوڑا چوتھی کا جو سب سے بھاری اور بیش قیمت ہوتا ہے۔ اس میں زربفت کی کلیوں دار تہ پوشی، آنچل پلو کا لال دوپٹہ، سلمے ستارے سے لپا ہوا، ایسی ہی محرّم کرتی ٹاٹ بافی گھتیلی جوتی جس میں چاندی کے گھونگرو لگے ہوئے کشتیوں میں لگا کر اوپر سے کھیلیں چھڑک دیتے ہیں۔ غریبوں کے ہاں کسی قدر فرق، اور ان چیزوں کی مقدار کم ہوتی ہے۔ مثلاً سوا من نقل، پانچ سیر میوہ، پانچ سیر قرص، ۲½ سیر مصری، ۲½ سیر کلاوے، پانچ سیر کھانڈ، دو ٹھلیاں ایک میں شربت، ایک میں دہی، ان ٹھلیوں کے منہ پر دو آٹے کی مچھلیاں بندھی ہوئی ہوتی ہیں۔ سہاگ پُڑا بدستور ایک سادہ اور ایک مصالحہ کا جوڑا، سادہ برات کو دلہن کو پہنایا جاتا ہے اور مصالحہ چوتھی کے روز۔ ایک جوتی، دو سرخ کنگھیاں، دو مسّی کی پڑیاں، دو عطر کی شیشیاں، ایک گلاب کا منقش شیشہ، پاؤ بھر چنبیلی کا تیل، سہاگ اور موتیا کا عطر۔

چڑھاوے کی رقمیں امیروں میں مفصلہ ذیل ہوتی ہیں۔ اور غریبوں میں علیٰ قدر مقدور، جھومر بینا جو ماتھے کا ایک جڑاؤ زیور ہوتا ہے۔ نتھ، چھپکے کے بالے، نورتن دھگدگی، چمپا کلی، زمرّد کی انگوٹھی، سونے یا چاندی کی کشتی میں پھولوں کا گہنا[2] پانوں کے بیڑے سونے روپے کے ورق لگے ہوئے

۱؎ قرص سرخ یا سبز کھانڈ کی چھوٹی چھوٹی ٹکیاں جو بری کے ساتھ جاتی ہیں۔

۲؎ پھولوں کا گہنا اور جوڑا نائی لے کر جایا کرتا ہے۔

چاندی کی چنگیر، پاندان میں رکھے ہوئے، خوان پوش، تورے پوش، کشتی پوش ڈال کے قرینے سے سجا کر ساچق کے ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔ سواریاں رتھوں میں، پالکیوں میں، ڈولیوں میں، گاڑیوں میں ہوتی ہیں۔ آگے آگے آرائش، پیچھے پیچھے سواریاں۔ اگر شروع تورے والے نہ ہوئے تو آرائش کے آگے باجا گاجا۔

آرائش اِن چیزوں سے مراد ہے۔ اہلِ قلعہ کے ہاں نشان کا ہاتھی، سپاہیوں کا تمن[1] رنگ برنگ کے پھولوں کی ٹٹیاں، سو سو ٹٹیوں کے بیچ میں ایک ایک نقّار خانہ جو بانس پتی اور ابرک کا بنا ہوا ہوتا ہے اس میں نوبت بجتی جاتی ہے۔ بانسوں کے ٹھاٹھر بیلوں پر بندھے ہوئے، تمامی سے منڈھے ہوئے اُن میں لونڈے ناچتے جاتے ہیں۔ بانس کی کھپچیوں کے سیکڑوں چوگھڑے ابرک، پنّی، کاغذ سے منڈھے ہوئے۔ اُن میں چار چار مٹی کی ٹھلیاں رنگ برنگ کی نقّاشی کی رکھی ہوئی سیکڑوں ابرک کے کنول سہاگ پڑے کے آگے روشن چوکی بجتی ہوئی پیچھے پیچھے سب بَری کی چیزیں۔ سواریاں خواص، خاص بردار چوبدار ہٹو بڑھو کہتے ہوئے ساتھ ہوتے ہیں۔

جب دلہن کے ہاں پہنچتے ہیں تو سارا سامان وہاں کے آدمیوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ وہ گھر میں پہنچا دیتے ہیں۔ سواریاں اترنی شروع ہوتی ہیں۔ مرد مردانے میں جا بیٹھتے ہیں۔ اگر خلعت دیا جاتا ہے تو دولہا بھی ساتھ جاتا ہے خلعت میں عمدۃ الخالق، نیمہ آستین، دوشالہ، گوشوارہ، مندیل، شملہ، قبا، پیجامہ، زری کی ٹوپی سو دو سو روپے علیٰ قدرِ حیثیت نقد خلعت کے ساتھ

---

[1] تمن سو سو آدمیوں کا دستہ جس میں ایک ایک نشان باجا اور ایک عہدہ دار ہوتا ہے۔

ہوتے ہیں۔ انہی روپوں کو کھانے جوڑے کے روپے کہتے ہیں اور ان کپڑوں کو خلعت۔ یہ ساری پوشاک نہایت عمدہ اور بیش قیمت ہوتی ہے۔

ساچق یا برات کے ساتھ جو عورتیں رشتے دار یا میل ملاپ والی آتی ہیں وہ سمدھنیں کہلاتی ہیں۔ اسی طرح جِن کے ہاں جاتی ہیں وہ بھی سمدھنوں کے نام سے نامزد ہوتی ہیں۔

جب سمدھنیں اترتی ہیں تو دلہن والوں کی طرف سے دو عورتیں ایک پھولوں کے ہار دوسری گِھسا ہوا صندل لے کر کھڑی ہوتی ہے۔ ہر ایک سمدھن کے گلے میں ہار ڈالتی اور مانگ میں صندل لگاتی جاتی ہیں۔ بعض خاندانوں میں شربت پلائی کے وقت ہار اور صندل کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ سمدھنیں اترتی اور گاؤ تکیوں سے لگ کر بیٹھتی جاتی ہیں۔ دلہن ایک کونے میں الگ مسند پر گھونگٹ نکالے بیٹھ اور کمر جھکائے آنکھیں بند کیے چپ چاپ بیٹھی رہتی ہے۔ جس وقت سب اتر چکتی ہیں تو بن سپاری کی تھالیوں اور پان زردے سے اُن کی مدارات کی جاتی ہے۔

جب مدارات ہو چکتی ہے تو دولہا کی بہنیں خواہ بھاوجیں (اہلِ قلعہ کے ہاں دولہا کی ماں) دلہن کو پہلے پھولوں کا گہنا ہر ایک گہنے میں سے سات سات پھول نظر گزر کے توڑ کے پہناتی ہیں۔ اِس کے بعد کلمے کی انگلی میں اوّل نقرئی چھلاّ پھر سونے کی انگوٹھی ڈال کر مصری کی سات ڈلیاں کِھلا کر منہ میں پان کا بیڑا دیتی ہیں۔ دولہا کی ماں دلہن کے ہاتھ میں نشان کے طور پر حسبِ مقدور کچھ نقدی جو پانچ روپے سے کم نہیں ہوتی رکھ دیتی ہے۔ اس کے علاوہ باقی رقمیں خواہ اپنی طرف کی خواہ رشتے داروں کی طرف کی جس قدر ہوتی ہیں چڑھا دی جاتی ہے۔ رشتے داروں کی رقموں کے ساتھ اُن کا نام بھی ساتھ کے ساتھ لیا جاتا ہے کہ یہ رقم خانم کی طرف سے ہے، یہ رقم بہن کی طرف سے ہے، علیٰ ہذا۔ بعد ازاں

دلہن کی بلائیں لے کر سب اپنی اپنی جگہ پر جا بیٹھتی ہیں۔ اب ڈومنیوں کے گانے کا دور آتا ہے۔ بعض گھرانوں میں چڑھاوا چڑھاتے ہی شادیانہ اور گالیاں شروع کردیتے ہیں۔ بعض میں شربت پلانے کے بعد یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ ڈومنیاں شادیانے میں یہ فقرے گاتی ہیں:

ہریالی بنّو ہووے مبارک شادی
بنّے کی بنّو ہووے مبارک شادی
جم جم نت نت ہووے آبادی
بنّے بنّو ہووے مبارک شادی

اہلِ قلعہ میں اس موقع پر بہادر شاہ کا بنایا ہوا شادیانہ حسبِ ذیل گایا جاتا ہے:

محفلِ شادی ظفر آج بھی ہو کل بھی ہو
گھر ترا شادی کا گھر آج بھی ہو کل بھی ہو
رات کو ہو رتجگہ صبح کو صحنک شہا
دھوم یہ شام و سحر آج بھی ہو کل بھی ہو

شادیانے ختم کرکے گالیاں یعنی سیٹھنیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ رسم اہلِ ہند سے لی گئی ہے۔ یہ گالیاں اکثر ذو معنی فقرے ہوتے ہیں یعنی اُن کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلو سے بدتہذیبی دوسرے سے تہذیب ظاہر ہوتی ہے۔

سمدھی میرے گھر آیا ڈالوں واکے گلے موتیوں کا ہروا
سات سکھیوں میں ایسا لاگے جیسے بسنت کا گڑوا
جیسے ہولی کا بھڑوا

خاص اہلِ قلعہ کی سیٹھنیں ہم اس جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا پہلا لفظ

نہایت ہی کراہت اور بدتہذیبی ظاہر کرتا ہے۔ گو دوسری دفعہ کہنے میں پورا ہو کر اس خیال کو بدل دیتا ہے۔ لیکن ہمارا قلم یاری نہیں دیتا کہ ہم اسے لکھیں۔ اس وقت ہر ایک سمدھن شرم کے مارے منہ چھپاتی اور بظاہر ان باتوں کو ہنسی میں اڑاتی رہتی ہے۔

شربت پلائی

اس وقت دلہن کو دولہا والیوں کے آگے سے اٹھا لیتے ہیں کیونکہ وہ غریب کمر جھکائے جھکائے اور آنکھیں بند کیے کیے تھک جاتی ہے۔ اس کے بعد شربت پلائی شروع ہوتی ہے۔ دلہن والوں کی طرف سے ایک عورت شربت کا شیشہ دوسری چاندی کی تھالی اور شربت کی پیالی تیسری رومال (اہلِ قلعہ میں چوتھی عورت گوٹے اور پھولوں کے ہار) ماما چلمچی آفتابہ لے کر کھڑی ہوجاتی ہے۔ شربت پلانے والی پیالی میں شربت ڈالتی اور پلاتی جاتی ہے۔ ماما کلّی کراتی اور رشتے دار عورت رومال سے منہ پونچھتی اور صاف کرتی جاتی ہے۔ اس وقت ہنسی اور چہل بھی ہوتی جاتی ہے۔ منہ پونچھنے والی اس زور سے شربت پینے والی کا منہ مسل دیتی ہے کہ وہ سی کرکے رہ جاتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ کل ہمارا وار ہے، تم بھی ذرا ہوشیار رہنا۔ شربت پینے والیاں شربت پلائی، تھالی کے اندر ڈالتی جاتی ہیں۔ ایک روپے سے لے کر پانچ روپے تک ڈالتی ہیں۔ قریبی رشتے دار سب سے زیادہ ڈالتی ہیں۔ ماما کو ہاتھ دھلائی کا حق علیحدہ دیا جاتا ہے۔

بلکہ ڈومنیاں جو گالیاں دیتی ہیں اُن کے روپے بھی علیحدہ دیے جاتے ہیں۔ عام لوگوں میں وار پھیر میں یہ رقم متفرق کر کے بیل کی طرح دیتی ہیں۔ غرض شربت پینے، گالیاں کھانے کے بعد سمدھنیں رخصت ہوجاتی ہیں۔

منہدی

ساچق کے روز تو دولہا کے ہاں سے بَری کے ساتھ دلہن کے واسطے دولہا کی جھوٹی منہدی آتی ہے۔ اب ساچق کے بعد انہی کے ہاں سے دلہن کی بہنیں دولہا کے گھر منہدی لے کر جاتی ہیں۔ گویا یہ ساچق کا جواب یا بدلہ ہے۔ امیروں یا شہزادوں کے ہاں پانچ ہزار پینڈیاں جن پر چاندی سونے کے ورق لگے ہوئے، گیارہ سیر ابٹنا، دلہن کی جھوٹی منہدی، چاندی کی چوکی، چاندی کا لوٹا، کٹورا طباق، لگن، نہانے کا تنیڑا، کنگی، کھیس، سوزنی، مائیوں کا جوڑا، زرد جامہ، برات کا جوڑا، اساوری کا پاجامہ، چوتھی کا خلعت، ٹاٹ بافی جوتی، ہیرے کا چھلا، زمرد کی انگوٹھی، مگر متوسط درجے کے لوگوں میں ملیدہ خونوں میں بھرا ہوا، گندھی ہوئی منہدی سینی میں لگی ہوئی اور منہدی میں چار شمعیں کھڑی ہوئی۔ چاندی کی چوکی اس پر سوزنی بچھی ہوئی یہ سامان ہوتا ہے۔ امیروں میں آگے آگے سپاہیوں کے تمن، تاشہ، مرفہ، روشن چوکی، سیکڑوں ابرک کے کنول، اُن میں شمعیں روشن، منہدی کا سامان پیچھے پیچھے پالکیوں، رتھوں، گاڑیوں میں زنانی، ہاتھیوں، گھوڑوں پر مردانی سواریاں ساتھ ساتھ فلیتے، مشعلیں، پنجیاں روشن، نوکر چاکر انتظام اور بندوبست کرتے ہوئے دولہا کے ہاں منہدی لے کر پہنچتی ہیں۔

متوسط درجے کے لوگوں کے ہاں صرف باجا گاجا، ٹٹیاں، کنول، پنجیاں بھی دھوم دھام میں خیال کی جاتی ہیں۔

جب دولہا والوں کے ہاں جا کر اُترتے ہیں تو وہ تعظیم و تواضع سے سب کو بٹھاتے ہیں۔ مرد مردانے میں عورتیں زنانے میں جا بیٹھتی ہیں۔ دولہا والے سب کو اسی طرح شربت پلاتے اور ساچق کا ہنسی کا بدلہ آج منہدی میں

لے لیتے ہیں۔ پَن سپاری کی تشتریاں گلوریاں تقسیم ہوتیں اور گوٹے پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں۔ سالیاں چاندی کی چوکی بچھاتی اُس پر دولہا میاں کو بٹھاتی، دولہا کے ہاتھ پر ایک اشرفی رکھتی ہیں۔ منہدی لگاتی اور اپنا نیگ مانگتی ہیں۔ اُس وقت مذاق کے لیے اُن کی حیثیت سے کم یعنی ایک روپیہ سالیوں کے ہاتھ پر رکھ دیا جاتا ہے۔ وہ لڑنے جھگڑنے لگتی اور کہتی ہیں واہ واہ دولہا میاں ہم تو اسی لائق ہیں، ہم تو نہیں لیتے ہیں بلکہ منہدی بھی نہیں لگاتے۔ دولہا ہاتھ پسارے بیٹھا رہتا ہے۔ جب اُن کو حسبِ مقدور نیگ دے دیا جاتا ہے تو وہ منہدی لگاتی اور خوش ہو جاتی ہیں اس وقت کی اُدھر کی ڈومنیاں مبارک باد گاتی اور اسی طرح انھیں گالیاں دیتی ہیں۔ دلہن والے شربت پلائی، گالی، اور چلمچی کے روپے دے دلا کر اپنے گھر آجاتے اور اب دونوں طرف برات کی تیاریاں ہونے لگتی ہیں۔

برات

برات سے ایک دو روز پیشتر عورتوں کو دولہا کی ماں کی طرف سے اور مردوں کو دولہا کے باوا کی جانب سے بلاوا دیا جاتا ہے بلکہ مردوں کے واسطے رقعے تقسیم ہوتے ہیں۔ جن کی عبارت اس طرز کی ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے فیضِ اتم سے یہ دن نصیب ہوا ہے کہ تمام عزیز و اقارب اس خوشی کے موقع پر برخوردار فلاں کے عقد و نکاح میں فلاں تاریخ فلاں وقت قدم رنجہ فرما کر برات کے ساتھ دلہن کے گھر تک تشریف لے چلیں اور شریکِ نکاح ہو کر بندے کو اعزاز بخشیں۔ دوسرے روز شاملِ ولیمہ[1] ہوں اور طعام ماحضر تناول فرما کے ممنون فرمائیں۔

---

[1] ولیمہ، نکاح کی ضیافت، شادی کی دعوت۔

صحنک[1]

صبح کو صحنک کی تیاری ہوتی ہے۔ صحنک حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز سے مراد ہے۔ اس کا ایجاد عہدِ جہانگیری میں جودھ بائی والدۂ شاہ جہاں کی طرف سے ہوا ہے، جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ نور جہاں جو بادشاہ کی آنکھ لگائی بیوی تھی، اس راجپوت زادی کو ہر بات پر چھیڑا کرتی تھی۔ کبھی کہتی کہ تو تو نِری گنواری ہے پھوہڑ ہے۔ کبھی کہتی کہ تو تو ہندو بچّی ہے۔ تجھے ہمارا سا سلیقہ کہاں میسّر ہے۔ کبھی کہتی مارواڑن کو بھی دن لگے۔ جودھ بائی آخر کو تھی تو رئیس زادی، اور راجکماری یہ باتیں سنتی اور خون کے سے گھونٹ پی کر خاموش ہو رہتی۔ جب اُس نے دیکھا کہ یہ تو کسی طرح باز ہی نہیں آتی جہانگیر کے سر چڑھتے چڑھتے میرے سر چڑھنے لگی تو اُس نے اُس کے ذلیل کرنے کے واسطے یہ ترکیب سوچی کہ ایک روز تمام بیگمات کی دعوت کی اور کہا کہ آج میں حضرت فاطمہ رض کی نیاز دلواؤں گی۔ سب کو اس متبرک نیاز میں شریک ہو کر ثوابِ دارین حاصل کرنا چاہیے۔ غرض تمام شہزادیاں، بیگمیں اور عزت دار خاندانی عورتیں جیسے وزیر زادیاں نوابزادیاں تک اس میں شریک ہونے آ گئیں، اُس نے نیاز کا دہی خشکہ پکوایا۔ کورے کورے کونڈوں میں رکھا۔ عطر اور پھولوں سے دسترخوان کو مہکایا سات ترکاریوں سے سجایا۔ جب سب عورتیں جمع ہو گئیں تو باآواز بلند فرمایا کہ بی بیو! اس متبرک اور پاک صحنک کو وہی بیوی زن کھا سکتی ہے جس نے دوسرا خاوند نہ کیا ہو۔ ہمیشہ

---

[1] صحنک، عربی لفظ صحن کی تصغیر ہے۔ بمعنی طباقِ خورد یعنی رکابی کونڈی وغیرہ، اصطلاحی معنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فاتحہ اور فاتحہ کا طباق یا کونڈا۔

پاک دامن اور پارسا بنی رہی ہو۔ چونکہ نور جہاں شیر افگن خاں کے بعد جہانگیر کے نکاح میں آئی تھی وہ نہایت شرمندہ ہوئی اور اس روز سے بڑا بول بولنا چھوڑ دیا۔ پس اب یہ نیاز ہر ایک تقریب اور شادی و مراد کے موقع پر ہونے لگی۔ اس کا بڑا ادب کیا جاتا ہے۔ اِس کے کھانے کے واسطے پاک دامن اور نہایت پارسا عورتیں مخصوص کی جاتی ہیں۔ جنھیں بیوی زنیں کہتے ہیں۔ خاص کر سیّدانیوں کا زیادہ حق سمجھا جاتا ہے اور اب تو چوڑی والیاں یعنی منہاریاں پاک دامنیں بن کر اسے کھانے لگی ہیں۔ دوہاجو عورت کو اب تک نہیں کھانے دیتے۔ ہم نے اس نیاز کا عام طریقہ رتجگے میں بیان کر دیا ہے۔ یہاں اہلِ قلعہ کے موافق لکھ کر اس کا فرق جتاتے ہیں۔ اُن کے ہاں اور سب چیزیں تو بدستور ہیں مگر لال لال اوڑھنیاں اور چوڑیاں بڑھا دیتے ہیں۔ پہلے چونے کی تشتریاں پارسائی کے امتحان کے واسطے بیوی زنوں کے آگے لاتے ہیں۔ پھر دہی کھانڈ ڈال کر کھلاتے ہیں۔ کھانے والیوں کو چراغی کے روپے دیتے ہیں۔

صحنک کے علاوہ اس موقع پر اہلِ قلعہ میں بابر بادشاہ کی دیگ بھی ہوتی ہے۔ اس دیگ پر بادشاہ کی فاتحہ دے کر دلہن کو لے کر آپس میں سب شہزادیاں ناچ کا ایک شگون کرتی ہیں۔ اور اس ناچ میں یہ گیت گاتی تھیں جس کے معنی ترکی زبان میں خدا جانے کیا ہیں: "یارو لنگ خوش ولنگ، یار، یار، یار"[1]۔ اس قسم کی رسمیں معزز شہزادوں اور سلطانی مقربوں میں ہوتی تھیں اور یہ لوگ پرانے سلاطین کہلاتے تھے۔ حضرت ابوظفر بہادر شاہ کے زمانے میں اکثر رسمیں اور سلطنت کے قاعدے کم ہو گئے تھے مگر اُن کے والدِ بزرگوار کے زمانے تک برابر جاری رہے۔

رات کو ویسا ہی نجگہ ہوتا ہے جیسا چھٹی میں ہوا تھا یعنی گلگلے اور کھنکڑیاں

---

[1] دیکھیے فرہنگ

تلی جاتی ، اللہ میاں کا رحم بنایا جاتا اور دولہا کی سلامتی کی جیگھڑ بھری جاتی ہے، یعنی ایک ٹھلیا میں شربت، بدھنی میں دودھ، اُس کی ٹونٹی میں پان کا بیڑا ، گلے میں پھولوں کا سہرا باندھا اور ایک سنہری چوکی پر یہ سب کچھ رکھا جاتا ہے۔ رات بھر سہاگ کے گیت گائے جاتے ہیں اور پچھلے کو نیاز دلوا کر سب کو پکوان تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

برات کی تیاری

اب سمدھنوں کا برات میں جانے کے واسطے بناؤ سنگار شروع ہوتا ہے۔ اس قدر شور و غل مچتا ہے کہ کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی۔ کوئی کہتی ہے کہ اری باندی میرا زیور کا صندوقچہ لا۔ کوئی کہتی ہے کہ عطر کا خوانچہ نکال۔ کوئی چیختی ہے کہ اری کم بختو! میری جامدانی اور پیٹی تو لاؤ جو میں جوڑا نکالوں۔ ہر ایک سمدھن اپنے اپنے شوق اور اپنی اپنی پسند کے رنگین جوڑے نکالتی اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتی ہے کہ "بوا اس وقت کون سے رنگ کا جوڑا بدلوں"۔ کوئی دریافت کرتی ہے کہ "گلابی جاڑے میں اگر گرمی کی پوشاک بدلتی ہوں تو رات کو سُوسُو کرتی پھروں گی اور جو جاڑے کے کپڑے پہنتی ہوں تو آتی دفعہ خاصی گرمی ہو جائے گی، اس وقت دم بو کھلائے گا"۔ غرض ایسی ہی باتوں میں بہت سا وقت گزار کر گہنے پاتے سے لد کر پھولوں کے کنٹھے گلے میں ڈال کر سوار ہوتی ہیں۔ اِدھر عورتیں چلنے کی تیاریاں کرتی ہیں، اُدھر حجام دولہا کو نہلا دھلا کر کنگی اور بدن کا جوڑا لے کر فرصت پاتا ہے۔ اب دولہا کو شاہانہ پوشاک پہنائی جاتی ہے۔ نیچے کرتا، کرتے کے اوپر قبا یا انگرکھا، سر پر دستار، دستار پر گوشوارہ۔ شہزادوں میں موتیوں کا طرّہ اور سہرا، متوسّط درجہ والوں میں پھولوں کا سہرا، پھولوں ہی کا طرّہ، پھولوں

ہی کی بدّھی۔ اہلِ قلعہ میں بازو پر بھج بند ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے، خواہ کنگنا، چھنگلیا میں زمرّد کی انگوٹھی، ہیرے کا چھلّا پہنایا جاتا، کمر میں پٹکا، ہاتھ میں پیش قبض دیا جاتا تھا۔ اتنے میں دولہا تیار ہوا۔ زنانی سواریاں رتھوں میں، پالکیوں میں گاڑیوں میں سوار ہو گئیں۔ دولہا کے واسطے زرق برق زیور سے آراستہ گھوڑا آیا۔ اس کے سہرا باندھا گیا۔ دولہا سوار ہوا۔ پیچھے شہ بالا بیٹھا۔ شہ بالا دولہا کا بھائی یا رشتے دار کا لڑکا جس کا ختنہ نہ ہوا ہو بنایا جاتا ہے۔ ایک ہاتھ میں لگام، دوسرے میں رومال، منہ سے ڈھکا ہوا دولہا آگے بڑھا۔ تمام براتی پیچھے پیچھے، دولہا آگے آگے چلا۔ سب سے پیچھے سواریاں اور سب سے آگے باجا گاجا ہوا۔ اسے برات چڑھنا کہتے ہیں۔ اکثر برات پچھلی رات کو چڑھا کرتی تھی مگر اب تو دن ہی میں سب کچھ ہو ہوا جاتا ہے۔ ورنہ برات کے دونوں طرف پچنیوں کی روشنی، مہتابیوں کی چمک، ابرک کی فانوس، کنولوں کی جگمگ جگمگ عجب بہار دکھایا کرتی تھی۔ اس پر طبل کی گونج باجوں کی گمک، تڑئی کی دھوتو، نوبت کی جھنکار نفیریوں میں "شادیاں مبارک بنّے کو رنگ بھری برات ہے"، کی دلکش آواز غضب کا لطف دکھایا کرتی تھی۔ جب برات دلہن کے دروازے پر پہنچتی تھی تو آتش بازی چھوڑی جاتی تھی۔ برات میں اب بھی یہ بات ہوتی ہے۔ جس وقت دروازے پر دولہا پہنچتا ہے لوگ پیشوائی کو آتے یا دروازے پر دوطرفہ قطار باندھ کر استقبال کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دلہن والے پانی کا لگن بھر کر دولہا کے گھوڑے کے سُموں کے نیچے ڈال دیتے ہیں تاکہ دولہا پانی پانی اور ہمیشہ نرم بنا رہے۔ بعض خاندانوں میں بھاٹ[1] کا ڈلا کھینچ کے دولہا کے مارتے

---

[1] خشکے کا لڈو بنا کر مارنے سے مراد ہے۔

ہیں - دولہا اور دلہن کے بھائی کھڑے ہوئے تاک میں رہتے ہیں کہ کب دولہا گھوڑے سے اترے اور کب ہم اچک کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جائیں - دونوں میں سے جس کا وار لگتا ہے جھٹ سوار ہو جاتا ہے - اگر دولہا کا بھائی سوار ہو گیا تو کہتے ہیں کہ دولہا ہمیشہ دلہن پر غالب رہے گا اور جو دلہن کا بھائی سوار ہو گیا تو دلہن ہمیشہ وَر رہے گی۔ گھوڑے پر چڑھنے والے جب تک اپنا نیگ نہیں لے لیتے گھوڑے پر سے نہیں اترتے تھے، مگر اب اُس کا نیگ نہیں ملتا یوں ہی رسم ادا ہو جاتی ہے -

اب زنانی سواریاں زنان خانے میں اُترنی شروع ہوتی ہیں - دولہا اور سب براتی مردانے میں چلے جاتے ہیں - دولہا کو صدر میں مسند پر بٹھاتے ہیں - اس کے ہم عمر بھائی بند اُس کے پہلو میں اِدھر اُدھر بیٹھ جاتے ہیں - نوکر چاکر اور خدمتی ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں - قاضی کو بلوایا جاتا ہے - قاضی صاحب ہاتھ میں قلم دان، بغل میں بستہ، بستے میں نکاح کا رجسٹر اور لکھا لکھایا کابینؔ[1] نامہ جس میں دولہا دلہن کے نام اور مقدارِ مہر درج کرنے کی جگہ چھوٹی ہوئی ہوتی ہے، لیے ہوئے آتے اور سلام کر کے بیٹھ جاتے ہیں - جب تک نکاح نہیں ہوتا دلہن والے حقہ پان وغیرہ کچھ کھانے کو نہیں دیتے - جب نکاح ہو چکتا ہے فوراً یہ چیزیں آنی شروع ہو جاتی ہیں - قاضی صاحب بر وقتِ نکاح دولہا کے سامنے جا بیٹھتے ہیں وکیل اور اُس کی وکالت کے دو گواہ اُن کے قریب ہو بیٹھتے ہیں اوّل معمولی خطبہ پڑھا جاتا ہے جس میں حمد و نعت، نصیحت اور تناسل کی توصیف ہوتی ہے خطبہ پڑھ کر قاضی صاحب کے ولی یا وکیل کے دونوں گواہوں سے تصدیق کراتے

[1] کابین نامہ وہ کاغذ جس میں حمد و نعت کے بعد دولہا دلہن کا نام مہر کی مقدار، موجل یا معجل کی تفصیل اور تاریخ نکاح درج ہوتی ہے -

ہیں - اس کے بعد ولی یا وکیل کی طرف مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ "آپ نے مسماۃ فُلاں بنتِ فُلاں کو فلاں شخص کے نکاح میں اس قدر مہر کے بالعوض اس کی زوجیت میں دیا؟" وہ جواب دیتا ہے کہ "ہاں دیا" پھر قاضی صاحب نوشہ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کرتے ہیں کہ "تم نے مسماۃ فلاں بنتِ فلاں کو اس قدر مہر پر اپنی زوجیت میں قبول کیا؟" دولہا کہتا ہے کہ "ہاں قبول کیا۔" غرض تین مرتبہ اسی طرح دریافت کر کے قاضی اور تمام اہلِ مجلس دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے اور لوگ مبارک باد دیتے ہیں - دعا سے غرض یہی ہوتی ہے کہ خدائے تعالےٰ دونوں میں سلوک رکھے - آج کے روز دلہن کا باپ سامنے نہیں آتا لیکن شرعاً یہ بات ناجائز اور خاص ہند کا دستور ہے -

نکاح کے ختم ہوتے ہی شہدے[1] آواز لگاتے ہیں - ایک کہتا ہے "الٰہی سازگاری ہو، محمدؐ کا صدقہ۔" سب کہتے ہیں "آمین" پھر وہی کہتا "الٰہی دولہا ست پوتا ہو" سب کہتے ہیں "آمین" پھر پکارتا ہے کہ "دولہا کے باوا کو پوتے پڑپوتے کھلانے نصیب ہوں۔" ساتھ ہی کہتے ہیں "آمین" نکاح پڑھا کر دولہا کو شربت پلاتے اور اُس کا جھوٹا شربت دلہن کو بھیجتے ہیں - دولہا کے سر پر سے چھوارے لٹاتے اور شیرینی تقسیم کرنی شروع کر دیتے ہیں قاضی کو دوہرا حصہ ملتا ہے دولہا والے شیرینی تقسیم کرتے اور دلہن والے مَن سپاری کی نھالیاں اور گلوریاں بانٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں - نکاح کے کاغذ پر دولہا کی مُہر اُس کے رشتہ داروں کی گواہیاں کرائی جاتی ہیں - جب کاغذ تیار ہو جاتا ہے تو قاضی جی کی

[1] شہدوں کا ایک فرقہ ہے جس کی دیانت داری اور ایمان داری مشہور ہے - یہ لوگ شادی کے موقع پر اپنا انعام جدا لیتے ہیں اور پلنگ لے جانے کا حق جدا - کیونکہ پلنگ اُن کے سوا کوئی نہیں لے جاتا ہے -

مُہر سے مزیّن ہو کر دلہن کی ماں یا باوا کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ امیروں میں قاضی جی کو خلعت اور انعام، متوسط درجے والوں میں پانچ روپے، غریبوں میں سوا روپیہ دیا جاتا ہے، قاضی کے انعام میں سے حلال خوری بھی ایک آنہ فی روپیہ لے لیتی ہے۔

اسی وقت دلہن والوں کی طرف سے کشتیوں میں دولہا کا جوڑا اور حسبِ مقدور سلامی کے روپے آتے ہیں۔ جوڑے میں دوشالہ، مندیل، بنارسی دوپٹہ، پانچوں کپڑے رومال وغیرہ ہوتے ہیں۔

سلامی ہر ایک رشتے دار دلہن کے باوا کے پاس جمع کر دیتا ہے۔ وہ سب کے روپے اکھٹے کر کے دولہا کے حوالے کر دیتا ہے۔ بعض لوگ دولہا کے ہاتھ میں دلواتے ہیں۔ شربت بھی دلہن والوں کی طرف سے اُسی وقت سمدھیوں کو پلایا جاتا ہے۔ ہر ایک سَمدھی شربت پیتا اور شربت پلائی شربت کی تھالی میں ڈالتا جاتا ہے۔ یہ سب روپے دلہن کے گھر میں بھیج دیے جاتے ہیں۔ پابندِ شرع لوگ اس وقت اٹھ کر چلے جاتے اور ناچ رنگ شروع ہو جاتا ہے۔ کنچنی کھڑی ہو کر سہرا گاتی اور سہرے کا نیگ لیتی ہے۔ ایک سہرا تو معمولی گھریلو بنا ہوا ہوتا ہے، جسے ہر ایک جگہ ڈومنی اُسی کو گاتی ہے اور رنڈیاں بھی اوّل اوّل اُسی سے شروع کرتی ہیں مثلاً:

ہریالے ہمارے بنّے کے لیے سہرا گوندھ لا موری مالنیاؔ
بیلے چنبیلی کی کلیاں سہرا گوندھ لا موری مالنیاؔ
آؤ میری مالن بیٹھو مورے آنگن کر سہرے کا مول
سات لکھ سہرے کا مول ری عطر میں بسی لڑیاں
ہریالے ہمارے بنّے کے لیے سہرا گوندھ لا موری مالنیاؔ

مطلب:

اے ہمارے گھرانے کی مالن ہمارے ہریالے بنڑے یعنی دولہا کے واسطے سہرا گوندھ کر لے آ۔ اس میں بیلے اور چنبیلی کی کلیاں گوندھ (کیونکہ یہ عمدہ اور خوشبودار پھول ہوتے ہیں) ہماری مالن آ اور ہماری انگنائی میں بیٹھ کر سہرے کا مول چکا۔ مالن کہتی ہے کہ بی! "سہرے کی قیمت سات لاکھ روپے ہے۔ کیونکہ اس کی لڑیوں کو عطر میں بسایا ہے۔"

دوسرا وہ ہوتا ہے جو شاعر دولہا کی خوشامد میں کہہ کر خود سناتے یا رنڈیوں سے گواتے ہیں۔ جیسے ذوقؔ اور غالبؔ کے سہرے مشہور ہیں جو میرزا جواں بخت کی شادی کے موقع پر کہے گئے تھے۔ چنانچہ اسی قسم کے ایک سہرے کے چند شعر یہاں لکھے جاتے ہیں:

سہرا

چرخ تک دھوم ہے کس دھوم سے آیا سہرا
چاند کے دائرے پر زُہرہ نے گایا سہرا
جسے کہتے ہیں خوشی اُس نے بلائیں لے کر
کبھی چوما کبھی آنکھوں سے لگایا سہرا
رشک سے لڑتی ہیں آپس میں الجھ کر لڑیاں
باندھنے کو جو ترے سر پہ اٹھایا سہرا
صاف آتی ہیں نظر آبِ گُہر کی لہریں
جنبشِ بادِ سحر نے جو ہلایا سہرا

مطلب:

اتنی بڑی دھوم دھام سے سہرا آیا ہے کہ آسمان تک اُس کی دھوم مچ

گئی ہے۔ زہرہ نے بھی چاند کا دائرہ لے کر سہرا گانا شروع کر دیا ہے۔ خوشی کا یہ حال ہے کہ وہ بلائیں لے لے کر کبھی آنکھوں سے لگاتی ہے اور کبھی چومتی ہے۔ اے نوشہ تیرے سر سے باندھنے کے واسطے جو سہرا چنگیر دان سے اٹھایا تو اُن کی لڑیاں رشک سے آپس میں الجھ کر لڑنے لگیں اور ہر ایک نے یہی چاہا کہ پہلے میں ہی سر کے پاس پہنچوں۔ نسیم صبح نے جو سہرے کو لہرایا تو موتیوں کی آب و تاب کی لہریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگیں۔

سہرے کے بعد مبارک باد گائی جاتی ہے جیسے:

مبارک باد

دھوم شادی کی دھواں دھار مبارک ہووے
پیاری دلہن کو یہ دل دار مبارک ہووے
طوطیاں گاویں چہک کر تری محفل میں بنّے
سہرا پھولوں کا زری دار مبارک ہووے

مطلب:

یہ شادی کی زور دار دھوم دھام نوشہ اور اس کے باوا کو مبارک ہو اور پیاری دلہن کو یہ معشوق صفت دولہا ساز گار ہو۔ طوطیوں کو، اے بنّے! مناسب ہے کہ وہ تیرے بیاہ کی محفل میں چہک چہک کر یہ گاویں کہ پھولوں کا زری دار مقیش سے جھمجھماتا ہوا سہرا تجھے مبارک!

ریت رسم

اب ریت رسم کے واسطے دولہا کو اندر بلایا جاتا ہے۔ دولہا سہرا لٹکائے

گردن جھکائے منہ پر چوتہ رومال رکھے، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ڈیوڑھی پر آتا ہے۔ یہاں سے دولہا کی بہنیں دولہا کے سر پر آنچل ڈال کر اندر لے جاتی ہیں ڈومنیاں دولہا کی صورت دیکھتے ہی شرع والوں کے ہاں دائرے سے اوروں کے ہاں ڈھولک سارنگی سے یہ گیت گانا شروع کر دیتی ہیں:

بنّا بنڑی کے لیے سُبھ گھڑی آیاری بنّا۔ نت گھڑی آیاری بنّا
سیجیں مخمل کی بچھیں تکیے مشجر کے لگے نور کے تنبو تلے لا کے بٹھایاری بنّا
بنّا بنڑی کے لیے سُبھ گھڑی آیاری بنّا

مطلب:

دولہا دلہن کے لینے کو مبارک گھڑی آیا ہے۔ اچھی گھڑی آیا ہے۔ دولہا کے لیے مخمل کے بچھونوں کی سیجیں بچھی ہیں۔ مشجر کے گاؤ تکیے لگے ہیں اور اسے نور کے خیمے کے نیچے لا کر بٹھایا ہے۔ دولہا دلہن کے لینے کو سُبھ گھڑی آیا ہے۔

دیگر

آج رین سہاگ کی بنڑی کو بنایا
گاؤ حب رنگ آج بدھاوا
رَب نے یہ دن دکھایا
بنڑا اپنی تکھت پر بیٹھے آرسی مصحف دکھایا

مطلب:

چونکہ آج تخت کی رات یعنی برات کی مبارک شب ہوگی اس لیے دلہن کو بنایا سنوارا ہے۔ حب رنگ آج مبارک باد کا گیت گانا چاہیے کہ خدا نے یہ دن دکھایا ہے، دولہا دلہن دونوں تخت یعنی منصہ پر بیٹھے ہیں اور دونوں کو آئینہ و قرآن دکھایا جا رہا ہے۔ گو یہ خوشی کا گیت ہے مگر درحقیت دولہا پر ادائے رسوم کی مشکلیں پڑنے کا وقت ہے جنھیں ہفت خوان رستم یا ہفت خوان اسفندیار سے کم نہیں سمجھنا چاہیے۔

پہلی مشکل: دلہن والیاں اوّل اسے کوٹھری کی دہلیز میں بٹھا کے کالے تل اور کھانڈ دلہن کے ہاتھ پر رکھ کر منہ سے چٹواتی ہیں۔ دولہا حیوانوں کی طرح گویا گائے بن کر بغیر ہاتھ لگائے زبان سے چاٹتا ہے۔ اس ٹوٹکے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ گئو اور تابع دار بنا رہے۔ یہ رسم ہندوانی ہے۔ چنانچہ اسی سے ایک ہندی محاورہ مشہور ہو گیا ہے کہ ہم نے ایسے ہی تمہارے کالے تل چابے ہیں جو ہم تم سے نیچی آنکھ کریں۔ بعض گھرانوں میں جہاں ریت رسم کے واسطے دولہا کو بٹھاتے ہیں اُسی جگہ چٹواتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اور ٹوٹکے بھی اس وقت کیے جاتے ہیں مثلاً دلہن کی جوتی پر کاجل پاڑ دولہا کی آنکھوں میں لگاتے ہیں تاکہ ہمیشہ بیوی کی جوتی تلے رہے اور کبھی آنکھ سامنے نہ کر سکے۔ دلہن کے پاؤں کے نیچے کا پان دولہا کو کھلاتے ہیں۔ جس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ ہمیشہ پاؤں پڑتا رہے۔ دولہا کے ایک ہاتھ سے دلہن کے پاجامے میں ازار بند ڈلواتے ہیں۔ اور دلہن وہی پاجامہ پہن کر آرسی مصحف کی رسم کے واسطے آکر بیٹھتی ہے۔

دوسری مشکل: اس کے بعد دولہا کے ایک ہاتھ سے مروج[1] پسوایا جاتا ہے۔ اس جگہ مروج سہاگ پڑے کی چیزوں یعنی بالچھڑ، کپور کچری

---

[1] اگرچہ مروج چھیل چھبیلے اور خوشبودار چیز کو کہتے ہیں مگر یہاں غالباً مروٹ سے یہ طریقہ اخذ کر لیا ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں شادی یا لگن وغیرہ کے موقع پر جو دولہا دلہن کے ماتھے اور رخساروں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک رولی سے لکیر کھینچ دیتے ہیں۔ اسے مروٹ کہتے ہیں۔ یہاں ریت رسم کے موقع پر اس کی بجائے خوشبو کی چیزیں صرف دلہن کی مانگ میں بھری جاتی ہیں۔

چھیل چھبیلے، صندل، مشک دانہ وغیرہ خوشبودار اشیا سے مراد ہے۔ مروج بڑی مشکل سے باریک ہوتا اور دولہا کو پسینے پسینے کر دیتا ہے۔ جب دولہا کا ہاتھ تھک جاتا ہے تو سات سہاگنیں دولہا کا ہاتھ بٹا لیتی اور مل کر پسوا دیتی ہیں جب پس چکتا ہے تو دولہا اور سہاگنوں سے دلہن کی مانگ میں بھروا دیتے ہیں۔ یہ گویا سہاگ اور سہاگن بننے کی نشانی ہے۔

تیسری مشکل: جب مانگ بھر لی جاتی ہے تو "نو باتیں" چُنواتے ہیں۔ نوبات نبات کو بگاڑ لیا ہے کیونکہ مصری کی ڈلیاں ہوتی ہیں جو دولہا کو ڈھکا ڈھکا کر ہاتھ لگائے بغیر اُس کے منہ سے چنواتے ہیں۔ نیز ان سات سلاموں سے مراد ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔ نو باتیں ڈومنی اس طرح چنواتی ہے کہ پہلے دلہن کے سر پر مصری کی ڈلی رکھتی ہے اور کہتی ہے کہ دولہا میاں اس کو منہ سے اٹھا کر کھا جاؤ۔ جب دولہا سر کے پاس منہ لے جاتا ہے تو وہاں سے جھٹ ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دیتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ ایسا بھوکا دولہا بھی نہیں دیکھا کہ ایک ڈلی کے پیچھے کہاں کہاں منہ دوڑاتا ہے۔ جب سر کی ڈلی بمشکل دولہا کھا لیتا ہے تو اسی طرح دو ڈلیاں دونوں مونڈھوں پر رکھ کر کھلواتے ہیں۔ پھر پیٹھ پر دونوں کوہنیوں اور گھٹنوں پر رکھ کر اس کے منہ سے اٹھواتی اور کہتی جاتی ہیں کہ میاں تم نے کبھی اپنے باوا کے گھر بھی کھائی تھی یا نہیں۔ ڈلیاں کھلانے کے ساتھ ساتھ ڈومنیاں یہ فقرے گاتی جاتی ہیں۔

شربت سے میٹھا ری بنّا
ہریالا ری بنا میٹھا ری بنّا

مطلب:
یعنی یہ دولہا شربت سے میٹھا اور گھول کر پی جانے کے لائق ہے، ہریالا بنّا ہے۔

چوتھی مشکل: اب سات سلام اُس کی زبان سے کہلائے جاتے ہیں پہلا سلام، تیرے باپ کا غلام، دوسرا سلام، تیری ماں کا غلام، تیسرا سلام، تیری بہن کا غلام، چوتھا سلام، تیری خالہ کا غلام، پانچواں سلام، تیری نانی کا غلام، چھٹا سلام، تیری چچی کا غلام، ساتواں سلام، تیرے سارے کنبے کا غلام۔

پانچویں مشکل: نو باتیں چُنوا کر ٹونے گائے جاتے ہیں اور ہر ایک ٹونے پر "ٹونا میرا جگت سلونا" کہہ کر دولہا سے اقرار لیا جاتا ہے کہ یہ ٹونا مجھے لاگا یعنی اس جادو نے مجھ پر اثر کیا اور میں اِس کا پابند ہو گیا۔ اس موقع کا ٹونا اصل میں ایک قسم کا گیت ہے۔ جس میں اکثر دولہا کی طرف سے عجز اور فرمانبرداری کا اقرار لیا جاتا ہے۔ مثلاً:

ٹونا

ڈھائی پونی کچّا سوت میں باندھوں ساسو کا پوت
باندھ بوندھ کر کیا غلام دہلی بیٹھا کرے سلام

مطلب:

دلہن جادوگرنی بن کر کہتی ہے کہ میں روئی کی ڈھائی پونی اور کچّا سوت پڑھ کر اپنے منتر کے زور سے اپنی ساس کے بیٹے کو جکڑ لوں گی یعنی اپنا پابند کرلونگی اور جادو کے وسیلے سے باندھ کر ایسا غلام اور فرماں بردار بنا لوں گی کہ دروازے پر بیٹھا ہوا سلام کیا کرے گا۔

دیگر

میں تو ہریالے بنّے لاڈلے بنّے ایسا ٹونا بناؤں گی
جب دیکھے جب میرا ہی مکھ دیکھے سنگ لگائے پھروں گی
میں تو ہریالے بنّے پر ٹونا بناؤں گی

مطلب:

یعنی اے ہریالے اور لاڈلے دولہا میں تیرے واسطے ایسا جادو بناؤں گی کہ جب تو دیکھے گا میرا ہی منہ دیکھے گا اور میں تجھے ساتھ لیے لیے پھروں گی میں تو ہریالے بنّے پر جادو کروں گی۔

دیگر

ہشیار رہیو بنّے ٹونا میں ہی کروں گی
سونا مکھی[1] باندھوں بنّے کی دونوں آنکھیں باندھوں
بنّے کا بالا جی
ٹونا میں ہی کروں گی جادو میں ہی کروں گی
ہشیار رہیو رے بنے ٹونا میں ہی کروں گی
اری اے ری بنّا گڑ بھیلی بنا، آرسی بنا، ٹونا میں کروں گی

مطلب:

یعنی دولہا میاں ذرا ہشیار رہنا (اور کی تو کیا مجال ہے) میں ہی جادو کرونگی سونا مکھی جو آنکھوں کے لیے اکسیر ہے جادو کے زور سے بے اثر کردوں گی۔ اور تیری دونوں آنکھوں کو اوروں کی طرف سے بالکل باندھوں گی (کذا) اس لیے کہ تیرا ناتجربہ کار یا ناجیوڑا ہے۔ تو کسی کے پھندے میں نہ آجائے۔ ہشیار رہنا جادو اور ٹونا میں ہی کروں گی اور یہ بات دعوے سے کہتی ہوں۔ اے بیویو! دولہا گڑ سا میٹھا سر تا سر

---

[1] ایک قسم کا سنہری پتھر ہے جو آنکھ کی دوا کے کام آتا ہے جسے حجر النور عربی میں و سنگ نور فارسی میں کہتے ہیں۔

بھیلی ہے۔صرف میٹھا ہی نہیں بلکہ خوبصورتی میں آئینہ رو ہے، میں اس پر ضرور جادو کروں گی۔

جب آرسی مصحف کا وقت آیا تو ڈومنی نے دولہا کے کان میں بیسوا[1] کا ٹکا ہلایا۔ سالی نے کان میں سہاگہ چھوایا[2] اور کان پکڑے کھڑی رہی۔ لڑ جھگڑ اپنا نیگ لیا۔ جب جاکر دولہا کا کان چھوڑا۔ اب آرسی مصحف کا وقت آیا۔

آرسی مصحف

چھٹی مشکل: دولہا دلہن کو سر جوڑ کر آمنے سامنے بٹھاتے۔ بیچ میں تکیہ، تکیے پر قرآن شریف رکھ کر دولہا سے کہتے ہیں کہ میاں سورۂ اخلاص نکالو اور پڑھ کر دلہن کے منہ پر پھونکو۔ اگر وہ پڑھا ہوا ہے تو جھٹ نکال کر پڑھنے لگتا ہے ورنہ کوئی اور نکال دیتا ہے۔ غرض قرآن شریف پر آئینہ رکھ کر دولہا اور دلہن دونوں کے اوپر کپڑا ڈال دیتے ہیں۔ کسی کے ہاں دولہا کی کمر کا پٹکا کسی کے یہاں دولہا کی ماں یا بہن کا دوپٹہ خواہ دوشالہ اُڑھا دیتے ہیں۔ ڈومنی دولہا سے کہتی ہے "کہ میاں اپنی زبان سے کہو بیوی آنکھیں کھولو، میں تمہارا

---

[1] یہ خاص قلعہ کا دستور تھا جس سے غرض یہ ہے کہ جس طرح پاتر غیر کو اپنا کر لیتی ہے اُسی طرح اس کے نام کا ٹکا نکالنے سے دلہن دولہا کو اپنا کرلے گی۔

[2] سہاگہ بھی قلعے ہی کے دستور میں ہے، چونکہ اس میں سہاگ کا لفظ آیا اس خیال سے کہ میاں بیوی میں سہاگ یعنی اخلاص رہے، یہ ٹوٹکا کیا جاتا ہے۔

غلام، تمہارے باپ دادا کا غلام، آنکھیں کھولو" اِس پر بھی نہیں کھولتی تو ڈومنی کہلواتی ہے کہ میاں کہو تمہارے محلے کا غلام، تمہارے کنبے کا غلام مگر وہ شرم و لحاظ سے اور دستور کے سبب اس قدر آنکھیں بند کرکے اور بیٹھ جھکا کے بیٹھتی ہے کہ کسی ڈھب آنکھیں کھلنے میں نہیں آتیں۔ اگر گرمی کا موسم ہوا تو دونوں بیٹھے بیٹھے پسینوں میں نہا گئے اور جو جاڑے کے دن ہوئے تو سمدھنوں اور کنبے والیوں کے ہجوم سے جیٹھ بیساکھ کی گرمی کا مزہ آگیا۔ جب دلہن اس پر بھی آنکھیں نہیں کھولتی تو اس کی ماں بیٹی کی منّت سماجت کرتی ہے کہ بیوی بنّو دیکھو تو دولہا کس طرح گڑگڑا رہا ہے اب تو اس پر رحم کھاؤ اور آنکھیں کھول کر آئینے میں اس کا منہ دیکھو، اپنا دکھاؤ۔ غرض نہایت کوشش اور سعی سے وہ آنکھیں ذرا ٹمٹما دیتی ہے اور دولہا یہ سمجھ کر کہ مشکل آسان ہوئی کہہ دیتا ہے کہ آنکھیں کھولدیں، بعض دولہا چالاکی سے از خود کہہ دیتے ہیں کہ کھولدیں۔ لیکن پھر بھی اس کو یہ مصیبت اٹھانی ہی پڑتی ہے۔ آرسی اس غرض سے رکھی جاتی ہے کہ دلہن چونکہ شرم کے مارے اجنبی، مرد یعنی دولہا کو سن مکھ ہوکر نہیں دیکھ سکتی۔ آئینے کو دیکھے اور آئینے میں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر خوش ہوجائیں۔ قرآن شریف اس نیّت سے رکھا جاتا ہے کہ جس وقت آئینے پر نظر پڑے تو قرآن شریف بھی نظر آجائے۔ تاکہ اس عمل سے نظر گزر نہ ہو اور خدا برکت دے۔ قصّہ کوتاہ کم سے کم تین تین مرتبہ غلام کہلا کر پیچھا چھوڑا جاتا ہے۔ سالی داؤں لگا کر دولہا کے شانے سے جوتی چھوا دیتی ہے تاکہ جوتی تلے یہ دبا رہے۔ جس وقت یہ مشکل حل ہوجاتی ہے تو بعض خاندانوں میں تو دولہا میاں کو پلنگ پر بٹھا کر دودھ پلاتے اور اس وقت بہنوں سے آنچل ڈلواتے ہیں بلکہ سسرال والوں کی طرف سے سلامی کے روپے بھی اسی وقت جھڑا جھڑ پڑنے

شروع ہوجاتے ہیں۔ کوئی اشرفیاں دیتا ہے کوئی روپے دیتا ہے اور دولہا سلام کر کر لے لیتا ہے۔ اب دان[1] دہیز نکلنا شروع ہوجاتا ہے۔

جہیز

جہیز اصل میں گھر بار کی ضروری چیزوں اور گھرداری کے سامان سے مراد ہے۔ جو ہر ایک شخص اپنے اپنے مقدور حوصلہ اور بساط کے موافق اپنی بیٹی کو رخصت کے وقت دیتا ہے تاکہ اسے وہاں جاکر گھر بناکر بیٹھنے میں کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے۔ یہاں تک کہ بال بچّہ ہونے تک کا سامان بھی مثلاً طشت چوکی وغیرہ دینا پڑتا ہے۔ امیر گھرانوں میں مفصلۂ ذیل چیزیں دی جاتی ہیں اور متوسط درجہ والوں یا غریبوں میں، ان میں سے ہر ایک چیز کی تعداد میں کمی کردی جاتی اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے "کم خرچ بالانشیں"، ضرب المثل کو پیشِ نظر رکھ کر ہر ایک چیز کا جو بھوجو اور صرف ظاہری ٹیپ ٹاپ کی بنائی جاتی ہے۔ چنانچہ جو چیز ناپائیدار اور بودی ہوتی ہے اسے جہیز و جہیز کے نام سے نام زد کرتے ہیں۔

سامانِ جہیز

بھاری بھاری جوڑے سات سے لے کر اکیس تک اس سے بھی زیادہ مگر تعداد میں جُفت نہیں طاق ہوں گے۔ دوہرے، تہرے گہنے غریبوں اور متوسط

---

[1] دہیز اصل میں عربی جہیز تھا جو جہاز کا امالہ ہے یعنی وہ سامان جو بیٹی کو رخصت کے وقت گھر بناکر بیٹھنے کو دیا جاتا ہے۔

درجے کے لوگوں کے ہاں ایک ہی ایک گہنا دیا جاتا ہے۔ مشہور گہنے یہ ہوتے ہیں:

سر اور ماتھے کے گہنے: جھومر، ٹیکا، بینا، چٹّا، چوٹی۔

کان کے زیور: پتّے، بالیاں، بالے، جھپکے کے بالے، جھمکے، مُرکیاں، بجلیاں، کِرن پھول، مگر، چودانیاں، کھٹکے یعنی جھلنیاں، جھڑکے کے بالے، سہارے۔

ناک کے گہنے: نتھ، بلاق، کیل، ناک بیسر۔

گلے کے گہنے: توڑا، توڑا اگجرا، گلوبند، چمپاکلی، ستلڑا، جُگنی، ٹیپ، ہیکل، کنٹھی، ہنسلی، توڑا چاندار، دھگدگی، چندن ہار، زنجیر، مالا۔

بازو کے گہنے: بازوبند، نورتن، بھوج بند، جوشن، نونگے، تعویذ، ٹھیکری، اگے یا اک نگے۔

ہاتھ کے گہنے: پٹریاں، پہنچیاں، نوگریاں، چوہے دنتیاں، کنگن، پچھے، کڑے، چوڑیاں، شمشیر بند، علی بند، دست بند۔

انگلیوں کے گہنے: چھلے، چھلے جوڑ، انگوٹھیاں، آرسی۔

پاؤں کے گہنے: پازیب، جھانجن، کڑے، چوڑیاں، توڑے، لچھے، بانک، چٹکی، چھلے، زنجیردار چٹکی چھلّے۔

امیروں کے ہاں چاندی کے برتن، چنور، مورچھل، چاندی کا پلنگ، چاندی کا چھپرکھٹ، متوسط درجہ والوں کے ہاں تانبے کا پلنگ، چوبی چھپرکھٹ، یا صرف پلنگ خواہ چوبی ہو خواہ تانبے کا، اور اوچھہ یعنی پلنگ کا جھالردار بچھونا جو کمخواب یا اطلس یا مشروع کا ہوتا ہے۔ اور پلنگ کے پایوں پر چاروں طرف لٹکتا رہتا ہے۔ مخملی یا ریشمی غلاف کے تکیے جو کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً سرہانے کا تکیہ، پہلو تکیہ، گل تکیہ، ران تکیہ وغیرہ۔ بالاپوش پلنگ زریں سیج بند سے کسے ہوئے۔ پلنگ پوش زربفت یا کسی عمدہ کپڑے کے بنے ہوئے۔ دلدا پیش گیر یعنی

چھوٹا سا نم گیرہ جو چھپر کھٹ کے آگے کھڑا کیا جاتا ہے۔ جس میں کلابتونی جھالر اور گنگا جمنی ڈوریاں، چاندی کی چوبیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ شیشے، چینی تانبے کے برتن، شطرنجیاں، چاندنیاں، مسند، گاؤ تکیہ، غالیچہ، قالین، بیٹی چمڑے کے پٹارے، صندوق، جامدانیاں، دسترخوان، خوان پوش، کسنے تورے پوش، خون کشتیاں، کھانچا، گھڑونچی، اُگلدان، تخت، چوکیاں، پالکی پوش، ڈولی پوش۔

امیروں میں گھوڑا چاندی کا گہنا پہنے ہوئے، سنہری روپہلی ساز پڑا ہوا، کارچوبی گردنی ڈالے ہوئے۔ شہزادوں میں ہتنی یا ہاتھی چاندی کے زیور، کارچوبی جھول اور چاندی کے ہودے سے کسا ہوا ایک خاصگی رتھ، چاند تارے کا پردہ پڑا ہوا، سورج مکھی کی سنہری کلیاں لگی ہوئی، اسی طرح بیلوں کی جوڑی جھولوں اور سنگوٹیوں سے آراستہ ایک تفرقی رتھ۔

اس سامان کے علاوہ اور بہتیری چھوٹی موٹی چیزیں ہوتی ہیں۔ جن کا لکھنا فضول ہے۔ یہ سارا سامان لوگوں کو دکھایا جاتا ہے اور اس کی دو فہرستیں تیار کی جاتی ہیں۔ ایک فہرست دلہن والے دستخط کرا کر رکھ لیتے ہیں۔ دوسری دولہا والوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ یہ فہرست بعض موقعوں پر کام بھی دیتی ہے۔ مثلاً دلہن مرجائے اور کوئی بال بچہ نہ چھوڑ جائے تو باپ یا ماں یا بھائی دعویٰ کر کے واپس لے لیتے ہیں یا ایسی صورت میں کہ بیوی خاوند کو چھوڑ دے یا خاوند بیوی سے قطع تعلق کر لے تو سب واپس کر دینا پڑتا ہے۔ لیکن یہ ایک معیوب بات ہے۔ بہت کم اور لالچی لوگ جہیز یا مہر کا دعویٰ کیا کرتے ہیں۔ ورنہ جو دے دیا سو دے دیا، ہاں اولاد کو ضرور ہی حق ملتا ہے۔ عورتیں جہیز دیکھ کر آپس میں اس کا چرچا ہیں ایک دوسرے سے کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ کوئی کہتی ہے کہ "کیا خاک دیا، فلاں چیز تو دی ہی نہیں"۔ کوئی کہتی ہے کہ "فلاں چیز تو برتی ہوئی دے دی"۔ کوئی نیک مزاج

نیک دل یہ بھی کہتی ہے کہ "سچ پوچھو تو اس نے اپنی گڑیا خاصی سنوار دی"۔ دولہا والیاں اگر نیک ذات ہوئیں تو کہا "جس نے بیٹی دی اس نے کیا رکھا یعنی سب کچھ دے دیا۔ ہمیں اپنے دامن تلے ڈھانک لیا"۔ کوئی کہتی ہے کہ "صورت شکل کی بھی اچھی ہے"۔ کوئی کہتی ہے کہ صورت کو لے کر کیا چاٹئے، گُن اچھے ہوں تو سب کچھ اچھا ہے۔ غرض اب دلہن کی رخصت کا وقت آتا ہے۔ ماں، بہنیں، نانی، دادی، سہیلیاں، ہجولیاں مل مل کر روتی ہیں۔ باوا آتا ہے تو روتا ہوا، بھائی آتا ہے تو روتا ہوا۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمارے گھر سے لچھمی چلی۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمارے گھر کی آبادی اب دوسرے گھر کی آبادی ہوئی اِدھر سب مل کر روتے ہیں اُدھر منڈھا یعنی رخصت کا گیت گایا جاتا ہے جو عجب پُراثر ہوتا ہے اور اسے سُن سُن کر کلیجا کٹتا ہے۔

منڈھا

ہرے ہرے بانس کٹا مورے بابل
نیکا منڈھا چھواؤ رے
پربت بانس منگا مورے بابل
پانوں منڈھا چھواؤ رے
سگنی، نجومی، جوتشی سب ہی بھیج بلاؤ رے
جیسی لاڑی بیٹی بابل ویسا ہی کاج رچاؤ رے
ہرے ہرے بانس کٹا مورے بابل نیکا منڈھا چھواؤ رے
منڈھے اوپر کلس براجے دیکھے رجا راؤ رے
مستک ہاتھی سو بھا دینا بابل دل دریاؤ رے

ہرے ہرے بانس کٹا مورے بابل نیکا منڈھا چھوائیو رے
سونا بھی دینا روپا بھی دینا، دینا جڑت جڑاؤ رے
ایک نہ دینی سر کو رے کنگھی میری ساس نند بولے بول رے
ہرے ہرے بانس کٹا مورے بابل نیکا منڈھا چھواؤ رے
نو مہینے گرب میں راکھا اب نہ راکھا جائے رے
اولے رے کولے گڑیاں چھوڑیں چھوڑا سکھیوں کا ساتھ رے
ہرے ہرے بانس کٹا مورے بابل نیکا منڈھا چھواؤ رے
دہلیاں پربت بھئیں بابل انگنا بھیا بدیس رے
لے بابل گھر اپنا ہم چلے پیا کے دیس رے
ہرے ہرے بانس کٹا مورے بابل نیکا منڈھا چھوائیو رے

رخصت کے گیت کا ترجمہ اور مطلب

دلہن باپ کی طرف خطاب کر کے کہتی ہے کہ میرے اباجان (اب میری رخصت کا وقت قریب آگیا) ہرے ہرے بانس کٹا کر اچھا منڈھا چھوا دو۔

پھر اسی مطلب کو دہراتی ہے۔ کہ اباجان پہاڑ سے بانس منگواؤ (اور بنوں کی بجائے) پانوں کا منڈھا چھواؤ (تاکہ تمہاری بیٹی کے ساتھ محبت دیکھی جائے) سگن بچارنے والے، اچھے برے ستارے دیکھنے والے، گرہ گوچر پہچاننے والے نجومیوں کو بلا لو تاکہ وہ رخصت کا اچھا وقت اور مہورت دیکھ لیں۔ جیسی تمہاری بیٹی لاڈلی (جواہر کا ٹکڑا) ہے ویسا ہی بیاہ بھی رچانا (تاکہ دور دور دھوم ہو جائے)۔

میرے ابا تمہاری عالی حوصلگی سے منڈھے کے اوپر کلس براج رہا ہے کہ

راجا اور راؤ دیکھ دیکھ کر عش عش کر رہے ہیں۔ جہیز کے ہاتھی کی مستک ایسی آراستہ ہے کہ اس سے میرے ابا کا دریا دل ہونا ثابت ہے۔

اباجان خدا تمہیں سلامت رکھے تم نے مجھے سونا جھونا بھی دیا، چاندی روپا بھی دیا جڑاؤ زیور بھی عنایت کیا (جس کی میں شکرگزار ہوں) مگر صرف ایک سر کی کنگھی نہ دینے سے ساس نندیں طعنے مار رہی ہیں کہ دیا کیا خاک۔ ایک ذرا سی کنگھی تو میسر ہوئی ہی نہیں جو بیٹی سر میں کرتی۔

میرے پیارے ابا (اماں نے) نو مہینے پیٹ میں تو رکھ لیا مگر اب ان سے بھی (گھر میں) نہیں رکھا جاتا۔ ابا ہم نے طاق بھری گڑیاں ہی کیا چھوڑیں بلکہ اپنی سہیلیوں کا ساتھ بھی پرائے بس چھوڑ دیا۔

اب تو اباجان تمہارا دروازہ ہمارے لیے اونچا پہاڑ ہو گیا۔ تمہاری انگنائی ہمیں پردیس کی برابر ہو گئی۔ (اب ہمارا آنا جانا مشکل ہے) لو اب تم اپنا گھر سنبھالو ہم تو اپنے خاوند کے گھر چلے (بس خدا حافظ)۔

جب دلہن کے سوار ہونے کا وقت آیا تو دولہا کو دلہن کا جھوٹا دودھ پلایا دولہا نے روتی ہوئی دلہن کو گود میں اٹھایا اور پالکی میں لا کر بٹھا دیا۔ ایک دلہن اور ایک اس کی ساتھ والی اور نندیں اس کے ساتھ بیٹھیں۔ پالکی کے اوپر جھم جھماتا ہوا غلاف ڈالا۔ رہیں خدامہ یعنی انا، ددا، مانی، چھوچھو، لونڈیاں، باندیاں، وغیرہ وہ بھی گاڑیوں، رتھوں وغیرہ میں بیٹھ ساتھ ہو لیں۔ اگر شہزادی ہوئی تو ادھر کہاروں نے پالکی اٹھائی ادھر چوبدار نے آواز لگائی "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ دوست شاد و دشمن پامال، اللہ رسول کی امان" سقنی نے صراحی بجھیرا، یعنی تانبے کا لگن، سبو دان یعنی ٹھلیا کا ڈنڈی دار مسی سرپوش، کہار کہاریوں نے ضروری چیزوں کا بوغ بند یعنی گٹھڑی، پٹارا، پاندان، مقابہ سروں پر رکھا۔

شہدوں نے پلنگ چھپر کھٹ اٹھایا، کہاروں نے بہوڑے کا کھانا، حلال خوری نے طشت چوکی اٹھائی۔ آگے آگے باجا گاجا، پیچھے پیچھے دولہا گھوڑے پر سوار منہ پر رومال رکھے، سہرا مندیل سے لپیٹے، اُس کے پیچھے براتی، براتیوں کے پیچھے قطار میں جہیز، جہیز کے پیچھے زنانی سواریاں، برات رخصت ہوئی، دلہن کی پالکی پر بکھیر کی گئی، بھر بھر مٹھیاں روپے پیسے چاندی کے پھول دونیاں چونیاں جو بیشتر ہوا وہ نچھاور کیا، لٹیرے اس طرح گد بد گد بد گرے جیسے ٹپکے کے آم۔ برات آگے نکل گئی لوٹنے والے خاک چھاننے اور اس میں سے رہا سہا گرا پڑا پیسہ ٹکا ڈھونڈھنے بیٹھ گئے۔ غرض یہ رخصت کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب دلہن کی سواری دولہا کے گھر پر پہنچتی ہے تو ایک مرغا خواہ بکرا حلال کرکے اُس کا خون دلہن کے دائیں پاؤں کے انگوٹھے میں مل کر اسے دودھ سے دھو دیتے ہیں۔ بعض خاندانوں میں صرف خون سے، بعض خاندانوں میں صرف دودھ سے۔ دولہا پہلے دلہن کا سیدھا پاؤں پھر اُلٹا دھلا دیتا ہے اس کے بعد وہ دلہن کو گود میں لے کر اندر آتا ہے تو بہنیں دوپٹے سے باڑ روک کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جب تک باڑ رکائی کا نیگ نہیں مل لیتا کپڑا روکے کھڑی رہتی ہیں۔ جب دولہا نیگ دے دلا کر فارغ ہوتا ہے تو گھر کے اندر قدم رکھنا نصیب ہوتا ہے۔ یہاں چھپر کھٹ بچھا ہوا اُس کے آگے دلدا پیش گیر کھچا ہوا، اُس کے پیچھے دولہا دلہن کی مسند لگی ہوتی ہوتی ہے۔ دولہا دلہن مسند پر بیٹھتے اور سب کنبے قبیلے والے اپنے اپنے دستور و مقدور کے موافق دلہن کو مُنہ دکھائی دیتے ہیں۔ اسی وقت ست کورے کھو۔ یا ست کولے کی کھیر آتی ہے۔ چونکہ کھیر کے سات سات لقمے دولہا اور دلہن کو کھلائے جاتے ہیں۔ اس سبب سے یہ نام رکھا گیا کیونکہ کوریا کول ہندی میں لقمے کو کہتے ہیں۔ پہلے دولہا دلہن کو اپنے ہاتھ سے سات نوالے کھلاتا ہے۔ اس کے

بعد کوئی عورت یعنی بہن یا بھاوج دلہن کا ہاتھ پکڑ کر اُس کے ہاتھ سے دولہا کو سات نوالے کھلاتی ہے۔ پھر سب کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ کھانا کھا پی کر سونے کا وقت آجاتا ہے۔ اس وقت ڈومنیاں یا دولہا والیاں گیت گاتی اور دولہا دلہن علیحدہ مکان میں جا سوتے ہیں۔ اس رات کا نام سہاگ رات یا تخت کی رات ہے۔ جب دلہن سونے جاتی ہے تو ساتھ والیاں سمجھا دیتی ہیں کہ سوتے وقت دولہا سے پانی مانگ کر پینا۔ اس سے وہ ہمیشہ کو پانی سا بنا رہے گا۔ چنانچہ دلہن اس وقت نہایت آہستگی سے کہتی ہے کہ پانی! وہ ناواقف یہ جان کر کہ اسے پیاس لگی ہے، جھٹ اُٹھ کر پانی لا دیتا ہے۔ اس وقت اس قسم کے گیت گائے جاتے ہیں مثلاً :

بنڑا

بنّے مکھ دیکھ تری بنّو ہے سہاگ بھری
تاروں بھینی رات رے رہیو جیسے چندر کی کرن کھڑی
بنّے مکھ دیکھ تری بنّو ہے سہاگ بھری

مطلب :

یعنی اے دولہا اپنی دلہن کی صورت دیکھ وہ (سر تا پا) محبت اور پریت سے بھری ہوئی ہے (آج) تاروں سہاونی رات ہے۔ تو بھی چاند کی کرن کی طرح کھڑا یعنی جاگتا اور تازہ دم رہیو۔ اس کی باتوں کو نیند کے ہاتھوں گنوامت دیجو۔

دیگر

پھولوں سی بنّو سوئے، رنگ بھینی بنڑی، رنگ بھینا بنڑا
عطر باسی بنو سوئے، رنگ بھینی بنڑی، رنگ بھینا بنڑا

گلے لاگی ہتو سوئے، رنگ بھینی بنڑی، رنگ بھینا بنڑا
پھولوں باسی ہتو سوئے، رنگ بھینی بنڑی، رنگ بھینا بنڑا

مطلب:

یعنی پھولوں میں بسی ہوئی دلہن آرام کرتی ہے۔ دلہن کا رنگ بھی سہاونا ہے، اور دولہا بھی عطر میں معطر۔ دلہن سکھ فرما رہی ہے۔ دونوں کا رنگ سہاؤنا اور صورت من بھاؤنی ہے۔

دیگر

میں واری جاؤں، میں واری جاؤں بنڑے سے نہالا گا
آؤ میاں بنڑے چوسر کھیلیں، بازی لگے میری جان
میں ہاروں تو میاں بنڑی تمہاری، جیتوں تو حبشی غلام
میں واری جاؤں، میں واری جاؤں، بنڑے سے نہالا گا
اٹھو میاں بنڑے ہوا ہے سویرا، دو اماں کو جا کر جواب
میں واری جاؤں، میں واری جاؤں، بنڑے سے نہالا گا

مطلب:

یعنی دلہن بیان کرتی ہے کہ میں اپنے دولہا پر صدقے اور قربان ہو جاؤں کہ مجھے اس سے عشق ہو گیا ہے۔ پھر دولہا سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ آؤ ہم تم چوسر کی بازی کھیلیں۔ میرے پیارے دونوں طرف سے ہار جیت کی بازی لگے۔ اگر میں ہار گئی تو تمہاری بنڑی ہوں ہی اور جو جیت گئی تو بھی شیدن[1] لونڈی سمجھنا مجھے تم سے

---

[1] چونکہ حبشی غلام اور شیدن لونڈیاں نہایت فرماں بردار اور وفادار ہوتی ہیں اس وجہ سے یہاں حبشی یا شیدی غلام سے نسبت دی گئی ہے۔

بڑھ جانے میں فخر نہیں ہے، بلکہ تم سے ہیچ رہنے میں بھی فخر ہے، پھر جتاتی ہے دولہا میاں اٹھو صبح ہو گئی ہے۔ اپنی اماں کے سوال کا جواب دو۔

نوٹ:

جب وداع کی صبح ہوتی ہے تو دولہا کی ماں بہنیں یا دور کے کنبے رشتے کی بہنیں ہنس کر دریافت کرتی ہیں کہ میاں کھوسٹورا بنائیں یا خالی خولی ہی گھر جائیں۔ وہ اشارہ کر دیتا ہے یہ اشارہ پاتے ہی سب مل کر سٹورا بنانے میں مصروف ہو جاتی ہیں اور دلہن کا شبینہ جوڑا بہنوں کو تقسیم کر دیا جاتا ہے غرض تخت کی رات کی صبح کو اول حلوا بنا کر اسے ایک رکابی میں رکھ کر گڑھا کر دیتے اور اس میں تیل بھر کر دولہا دلہن کا ماتھے سے ماتھا ملا کر دونوں کا منہ اس میں دکھاتے اور یہ حلوہ حلال خوری کو بطور صدقہ دے دیتے ہیں۔ اس کے بعد سٹورا بنتا ہے۔ اسے دولہا دلہن کو کھلاتا ہے اور دلہن دولہا کو اور باقی بیاہی بیٹیوں بھاوجوں کو تقسیم ہو جاتا ہے اُسے بن بیاہی لڑکی نہیں کھاتی یعنی کنواری کو نہیں دیتے۔

چوتھی

دوسرے دن دلہن کے بھائی مٹھائی کے خون یا ٹوکریاں ساتھ لے کر بہن کو لینے آتے ہیں۔ انھیں شربت پلایا اور ناشتہ کرایا جاتا ہے۔ وہ شربت پلائی دیتے ہیں۔ بعض خاندانوں میں آج کے دن شربت نہیں بھی پلاتے۔ وہ دلہن کو گھر لے جاتے ہیں۔ دلہن وہاں جا کر نہاتی دھوتی اور چوتھی کے بھاری جوڑے کے پہننے کے بناؤ سنگار کرتی ہے۔ دولہا کے ہاں چوتھی کے سامان کی تیاری ہوتی ہے کھانے کی سات طرح کی ترکاریاں طرح بہ طرح کے پھل، پانوں کے بیڑے بازار سے منگوائے جاتے ہیں۔ پھولوں کی گیندیں، پھولوں کی چھڑیاں، ہار بالیں لے کر

آتی اور یہ سب چیزیں خونوں میں لگائی جاتی ہیں۔ دلہن کے ہاں بہت سی کھیر پکائی جاتی ہے۔ نائیں شیر مالیں تیار کرائی جاتی ہیں۔ جب تیسرا پہر ہوتا ہے تو دولہا اور دولہا والیاں یعنی سمدھنیں چوتھی کھیلنے روانہ ہوتی ہیں۔ جس وقت دلہن کے مکان پر جاکر سب اترتی ہیں تو دولہا کی سالیاں بنڑے کی جوتی چھپا دیتی ہیں۔ جب تک اپنا جوتی چھپائی کا نیگ نہیں لے لیتیں اُس کی جوتی نہیں دیتیں۔ یہ نیگ دس روپے سے لے کر بیس پچیس تک بلکہ اِس سے بھی زیادہ علیٰ قدرِ حیثیت ہوتا ہے

چوتھی کھیلنے سے بیشتر دولہا دلہن کو کھیر کے سات نوالے کھلاتا ہے مگر وہ صرف بمشکل تمام برائے نام چاٹ لیتی ہے۔ پھر ڈومنی دلہن کے ہاتھ سے دولہا کو سات نوالے ڈھکا ڈھکا کر کھلاتی اور کہتی جاتی ہے کہ میاں اباجان کے گھر بھی کبھی کھیر کھائی تھی یا نہیں۔ کھیر کی رسم ادا کر کے دولہا دلہن کے سہج سہج پھولوں کی سات چھڑیاں لگاتا ہے۔ ڈومنی دلہن کے ہاتھ سے پھولوں کی چھڑیاں پکڑ کر دولہا کے سٹاسٹ لگواتی ہے۔ ایک دوسرے کی طرف پھولوں کی گیندیں پھینکتے اور اس طرح چوتھی کھیلتے ہیں۔ دولہا دلہن کا وار ختم ہو کر سمدھنوں کا لگا لگتا ہے۔ کوئی چکوترا کھینچ مارتی ہے، کوئی کھٹا پھینک مارتی ہے، کوئی رنگترے سے کسی کی پیٹھ لال کر دیتی ہے، کوئی آم سے دوپٹے کا ناس ملا دیتی ہے۔ غرض چوتھی کیا کہ خاصی ہولی کھیلی جاتی ہے۔ دولہا دلہن چوتھی کھیل کر واپس آتے ہیں تو کھیر اور نائین جو دلہن والوں کے ہاں سے ساتھ کر دی جاتی ہیں انھیں سب بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ سُسرا یا کوئی اور بڑا بوڑھا جیسے چچیا سُسرا یا بڑا جیٹھ یا دادیا سُسرا وغیرہ دلہن کا گھونگھٹ اٹھا کر اسے مناسبِ حال خطاب دیتا ہے۔ تمام سُسرال والے نام کے بجائے کسی خطاب سے اس کا نام لیا کرتے ہیں۔

مثلاً شہزادوں میں آفتاب دلہن یا مہتاب دلہن، اقبال دلہن وغیرہ۔ مغلوں میں سکندر زمانی، سردار بیگم، امراؤ دلہن، اختر زمانی، بہو بیگم، اقبال زمانی، منور بہو وغیرہ۔ غرض چوتھی کی صبح کو خطاب ملا کرتا ہے، یہ خطاب پہلے ہی مشورہ کر کے تجویز کر لیتے ہیں۔ نوابوں اور شہزادوں میں دولہا کو بھی خطاب دیا جاتا ہے۔ جیسے نواب دولہا، امراؤ دولہا وغیرہ۔ چوتھی کے روز ہی چیکٹ[1] اتروائی کی رسم ادا کی جاتی ہے اس میں دلہن کے نانا، نانی، ماموں یا خالہ کی طرف سے دلہن کی ماں کو جوڑا پہنایا جاتا اور کچھ نقدی علیٰ قدر حیثیت دی جاتی ہے۔ اور آج ہی کے دن دونوں سمدھنیں آپس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔

چالے

چوتھی کے بعد چار چالے ہوتے ہیں۔ پہلا چالا ماں، دوسرا خالہ یا پھپھی، تیسرا نانی، چوتھا دادی کرتی ہے۔ اگر اور کوئی نہ کرے یا اس رشتے کے نہ ہوں تو باپ کو چاروں چالے کرنے پڑتے ہیں۔ یہ چالے اکثر جمعے یا پیر کو ہوا کرتے ہیں۔ جس کی طرف سے چالا ہوتا ہے اُس کے ہاں سب سے پہلے دلہن جاتی ہے۔ اُس کے بعد دولہا دولہا کے رشتے دار یا جن جن کو بلایا جائے، وہ سب ہوتے ہیں۔ دھوم کی دعوت کی جاتی ہے۔ امیروں میں دولہا دلہن کو جوڑے نقدی اور متوسط درجے والوں میں دولہا کو صرف نقدی پان کے ساتھ خاص دان میں رکھ کر دلہن کو زیور

---

[1] چونکہ بیاہ کے کاروبار کی مصروفیت کے سبب دلہن کی ماں کو کپڑے بدلنے کی فرصت نہیں ملتی اور وہ اسی سبب سے میلی چیکٹ ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے اُس کے میکے والے طور امداد یہ رسم ادا کرتے اور اسے چیکٹ اتروائی کہتے ہیں

یاجوڑایاکوئی چھوٹی موٹی رقم دی جاتی اور ترکاری نیز مٹھائی دے کر دونوں کو رخصت کر دیتے ہیں۔

پہلے چالے کے بعد یعنی اس کے دوسرے روز دلہن کی ماں کی طرف سے چوبے جاتے ہیں۔ ساچق اور برات کی شربت پلائی کے عوض ہوتے بلکہ اسی روپے میں سے بنائے جاتے ہیں۔ چوبوں میں یا تو میوہ قابوں میں بھر کر بھیجتے ہیں۔ یا زردے کے طباق ان پر بادلے کا طرّہ لگا اور میوہ پڑا ہوا اس کے بعد حمل کا موقع آتا ہے تو حمل کی رسمیں شروع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پانچویں یا ساتویں مہینے سدھور بھیجی جاتی ہے۔ نویں مہینے نوماسا کیا جاتا ہے۔ جس کا ذکر پہلے حصہ میں مولود کے متعلق آچکا ہے۔

فصد، جلّاب اور جونکوں کے
موقع کی رسم

ہندوستان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ بعض اچھے بھلے تندرست آدمی رنگ نکھرنے خون صاف ہونے یا کسی اور غرض سے خواہ مخواہ فصد کھلواتے، جلّاب لیتے اور جونکیں لگواتے ہیں بلکہ امیروں کا تو یہ ایک چونچلا ہے کہ جب کسی تقریب کا کوئی موقع ہاتھ نہیں لگتا تو یہ بہانہ کر کے محفل جماتے، ناچ رنگ کراتے اور دل کا حوصلہ نکالتے ہیں۔ اس موقع پر سسرال کی طرف سے احباب کی جانب سے رشتہ داروں کے ہاں سے ڈھیروں کنٹھے، گلوریاں، اولے، گھی خواہ اس کے عوض نقدی عطر کی شیشیاں، بُن دھنیا، چکنی ڈلیاں اور عمدہ سے عمدہ چوگھڑا الائچیاں آتی ہیں۔

جو شخص خون نکلواتا یا جلاب لیتا ہے اسے رات بھر سونے نہیں دیتے

ورنہ آدھی رات تک تو ضرور ہی گانے بجانے کے شغل میں جگائے رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی حالت میں سونے سے خون سوجاتا ہے۔

سفر کی رسمیں

اگر دولہا یا اس کے کسی رشتے دار کو سفر پیش آئے یا ادھر دلہن والوں میں سے کوئی باہر جائے یا باہر سے آئے تو رسوم ذیل عمل میں آتی ہیں: اول چالا دیکھا جاتا ہے یعنی دساسول کو دیکھتے ہیں کہ وہ پشت پر ہے یا نہیں۔ اگر دساسول[1] پشت پر یا بائیں ہاتھ پر ہوا تو سفر کرنا مبارک ہوتا اور کسی قسم کا اندیشہ پیش نہیں آتا ہے اور جو دیکھا کہ جانا ضرور ہے تو ایک روز پیشتر پاتراب کر لیتے ہیں۔ یعنی سامان سفر گھر سے نکال کر دوسرے گھر میں پہنچا دیتے ہیں۔ دساسول یعنی

---

[1] دساسول یا رجال الغیب یعنی مردان غیب کہو خواہ جوگنی وفرضی غائب وجود ہے جو دنیا کے دائرہ میں حرکت کرتا رہتا ہے اور اس کا مقام پہلی، نویں، سولھویں، چوبیسویں کو مشرق میں، تین، گیارہ، اٹھارہ، چھبیس کو گوشۂ جنوب مشرق میں، پانچ تیرہ، بیس، اٹھائیس کو جنوب میں، چار، بارہ، انیس، ستائیس، گوشۂ جنوب مغرب میں، چھ، چودہ، اکیس، انتیس کو مغرب میں۔ سات، پندرہ، بائیس کو گوشۂ شمال ومغرب میں، دو، دس، سترہ، پچیس، کو شمال میں، آٹھ تئیس کو گوشۂ شمال مشرق میں ہوتا ہے۔ اس کا اثر ہر روز اور علی الخصوص نو گھڑی یا تین گھنٹے چھتیس منٹ تک دن کے غروب ہوتے وقت رہا کرتا ہے۔ اس صورت میں جس طرف یہ ہو اس طرف سفر کرنا منحوس ہے۔ ہاں اگر بائیں طرف ہو تو مضائقہ نہیں لیکن سامنے پڑنا یا داہنے ہاتھ پر ہونا منحوس خیال کیا جاتا ہے۔

مردانِ غیب شنبہ، دوشنبہ کو مشرق میں، جمعہ اور یکشنبہ کو مغرب میں، سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو شمال میں، اور پنجشنبہ کو جانب جنوب ہوتے ہیں۔ جن کے گھر سے کوئی سفر اختیار کرتا ہے تو اوّل وہ لوگ اور بعد میں کنبے رشتے اور سرسمدھیانے والے اس کے دائیں بازو پر امام ضامن[1] کا روپیہ قند میں رکھ کر باندھتے ہیں۔ یہ روپیہ منزلِ مقصود پر پہنچ کر کسی غریب سید کو دے دیا جاتا ہے۔ بروقت روانگی دہی کا ٹیکہ ماتھے کو لگایا جاتا اور ذرا سا چکھا دیا جاتا ہے۔ گھر سے قدم باہر رکھتے ہی اُس کی پیٹھ کو آئینہ دکھایا جاتا ہے جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جس طرح جاتے کی پیٹھ دیکھی اسی طرح آتے کا منہ دیکھیں۔ بعض مسافر گھر سے اُڑد کی دال کھا کر بعض بن گوشت کی ترکاری ہمراہ لے کر سفر کرتے ہیں۔ گوشت کھا کر جانا اور ساتھ لے جانا باعثِ اندیشہ خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اب اس امر کی پابندی اٹھتی جاتی اور بہت سی اُٹھ گئی۔ جب کوئی شخص سفر سے آتا ہے تو اس کے سُسرال والے رشتے کنبے والے اور دوست احباب تیل ماش، صدقے کے ٹکے، جلیبیوں کے کونڈے بھیجتے ہیں۔ ماش ایک خون میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کے اندر بادیے میں کڑوا تیل اور خاصدان میں صدقے کے پیسے۔

مسافر اوّل تیل میں اپنا منہ دیکھتا ہے۔ اس کے بعد اُڑد کے دو چار دانے اس کے اندر ڈال دیتا ہے۔ تیل ماش حلال خوری کو دے دیے جاتے اور ٹکے غریبوں کو تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ بعد ازاں دیدار پیر کا کونڈا ہوتا

---

[1] امام ضامن علیہ السلام کی مفصل کیفیت منگنی کے بیان کے آخر میں لکھی جا چکی ہے۔

ہے۔ یعنی عورتوں نے جو ایک ایسا پیر مان رکھا ہے کہ وہ مسافر کی صورت دوبارہ دکھاتا ہے۔ اُس کے نام کی نیاز جلیبیوں کے کونڈے خواہ شکرانہ خواہ زردے یا میٹھے چاولوں پر دلائی جاتی ہے۔ یہاں تک بیاہ کی رسمیں ختم ہوئیں۔ اب میّت کی شروع کی جاتی ہیں۔

رسومِ میّت

جب کوئی مسلمان سخت بیمار پڑتا ہے یا مرض الموت میں مبتلا ہوتا ہے تو اُس کی صحت کے واسطے بہت سے جتن کیے جاتے ہیں۔ اس کے گھر کی عورتیں بکرے کی کلیجی صدقہ اتار کر سیندور لگا کر بکرے کی سری لے کر چوراہے میں رکھواتی ہیں۔ اس کے سرہانے کوڑیاں یا پیسے رکھ کر بچوں کو تقسیم کراتی ہیں۔ اکثر تین یا سات روز تک یہ عمل ہوتا ہے۔ بعض لوگ ست نجا بیمار کے ہاتھ سے چھوا کر غریبوں کو دے دیتے ہیں۔ مقدور والے صدقے کے بکرے ذبح کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ کھال کی قیمت کے پیسے اور گوشت کے پارچے مسکینوں کو بانٹتے ہیں۔ بیمار سے اس کی نہایت پیاری اور عزیز چیز خیرات کرا دیتے ہیں اور علاج معالجہ و بیمار داری میں کسی طرح کی کسر نہیں رکھتے ہیں۔ چونکہ قضائے مبرم کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی اور بیمار کو گھلاتے گھلاتے جان کنی کی نوبت پہنچا دیتی ہے۔ پس اس وقت اس کے آس پاس کے لوگ بار بار کلمۂ توحید اتنی آواز سے کہ بیمار سن تو لے مگر اسے ناگوار یا تکلیف دہ نہ ہو پڑھ کر اسے خدا کے دھیان کی توجہ دلاتے اور سورۂ یٰسین جان کنی کی مشکل آسان ہونے کے واسطے سُناتے ہیں چونکہ یہ سورۂ خاص کر دمِ واپسیں پر پڑھی جاتی ہے اس وجہ سے وہی عورتوں نے اس کا نام ہی نتاویں رکھ دیا۔

یعنی وہ سورت جس کا نام نہیں لینا چاہیے اس وقت شہد، اور بشرطِ دستیابی آبِ زمزم چمچوں میں بھر بھر کر اس بے کس اور بے بس بیمار کے منہ میں چوآتے ہیں تاکہ موجبِ نجات ہو۔ موت کی پیاس مشہور ہے۔ ہونٹوں پر پپڑیاں بندھ بندھ جاتی ہیں، پسینے پر پسینہ چلا آتا ہے۔ اس لیے مرتے دم پانی ٹپکانا ضرور ہوتا ہے۔ اسی وقت کے واسطے اولاد یا عزیز کو عزیز رکھتے ہیں۔ بعض لوگ بیمار کی دائیں جانب استغفار اور بائیں جانب کلمۂ توحید باآوازِ بلند پڑھتے ہیں۔ استغفار سے غرض توبہ گناہ و دعائے مغفرت ہے۔

مردے کو جب تک ہوش رہتا ہے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے عزیز و اقارب کو دیکھتا رہتا ہے۔ جہاں غفلت نے دبایا اور روح نے پرواز کیا، لاش کی درستی میں مشغول ہو گئے یعنی اگر منہ کھلا رہ گیا تو منہ کو اور آنکھیں کھلی رہ گئیں تو آنکھوں کو فوراً بند کر دیا۔ ڈھاٹا باندھ دیا تاکہ گردن سیدھی رہے اور اکڑ نہ جائے۔ تکیہ سرہانے سے ہٹا دیا کہ گردن اونچی نہ رہ جائے۔ ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیے، دونوں پیروں کے انگوٹھے ملا کر باندھ دیے۔ عورتوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ اگرچہ پکار کر رونا شریعت میں قطعی منع ہے۔ مگر اس وقت نہ تو دل قابو میں ہوتا ہے اور نہ اس سے خاموش رہا جاتا ہے۔ مرد سامانِ غسل اور تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے۔ بوریے، چارپائی، ٹھلیاں، روئی بدھنیاں منگوائی گئیں۔

خطمی، بیری کے پتے، صابن خواہ سجی ڈال کر غسل کا پانی جوش کرایا گیا۔ اور غسل کے واسطے صابن، ملتانی مٹی، استنجے کے ڈھیلے موجود کیے گئے۔ کفن کے کپڑے میں سے نہلانے کے کیسے سلوائے گئے۔ جوڑوں پر ملنے کے لیے گلاب، کافور، عطر گلاب، صندل، مشک وغیرہ اور جو عورت ہوئی تو زعفران اور

بڑھا کر حنوط[1] تیار کر لیا۔ لحد کھدوائی گئی، نہلانے کے تختے کو لوبان یا اگر کی دھونی دی گئی، اسے لحد پر بچھایا، تختے پر مردہ کو لٹایا، منہ اور پاؤں قبلہ رو کر دیے۔ سترِ عورت پر کپڑا ڈال کر لباس اتار لیا اور مردہ شو نے حسبِ شریعت تہبند اوپر ڈال کر اس پانی سے جو جوش ہوا تھا نہلانا شروع کیا۔ ہاتھوں میں صابن گھس کر کیسے کے اندر بھر لیا۔ کانوں نتھنوں میں روئی رکھ دی تاکہ پانی نہ بھر جائے۔ ڈھیلوں سے استنجا پاک کر لیا، صابن مل کر پانی ڈالا، بدن صاف کرنے کے بعد ملتانی مٹی سے بال دھوئے۔ ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو حنوط ملا، خشک کیسے سے بدن پونچھا۔ انگلی پر کپڑا لپیٹ کر دانتوں اور ہونٹوں کو صاف کیا۔ غرض تین غسل دے کر مردے کو اٹھا لیا، اتنے میں کفن تیار ہو کر آ گیا۔

کفن کے واسطے اس قدر کپڑا لیا جاتا ہے کہ اس میں سے تین چادریں، دو تہبند، ایک جانماز، ایک توشے کا رومال اور کیسے نکل آئیں۔

مردے کے کفنانے کو بوریہ بچھا کر اس پر دو چادریں اوپر تلے بچھا دیں اور مردے کو لٹا دیا۔ دونوں ہتھیلیوں، تلووں، نتھنوں، ماتھے اور دونوں گھٹنوں پر کہ اعضائے سجدہ ہیں، حنوط یعنی کافور وغیرہ مل دیا بلکہ کفن کو بھی اس سے معطر کر دیا۔ مرد کی میت کے واسطے یہ تین کپڑے سنت ہیں۔ ازار، لفافہ، قمیص، لفافہ ان چادروں کا نام ہے جنھیں کفناتے وقت نیچے اوپر ڈال کر ان پر قمیص بچھا دیتے ہیں۔ جس چادر کو اوّل بچھاتے ہیں اسے لفافہ اور جو چادر اس کے اوپر بچھائی جاتی ہے اسے ازار۔ ہر ایک چادر اس قدر لمبی اور چوڑی ہوتی ہے کہ مردہ اس میں سر سے پاؤں تک بخوبی لپیٹ جاتا ہے۔

---

[1] وہ مرکب خوشبو جو مردے کے واسطے تیار کی جاتی ہے۔

قمیص اس کفنی کو کہتے ہیں جس میں کلیاں اور آستینیں وغیرہ نہیں ہوتیں صرف گلے کی جگہ چاک ہوتی ہے۔

عورت کے واسطے پانچ کپڑے سنّت ہیں۔ درع، خمار، لفافہ، ازار خرقہ، قمیص یعنی کفنی مردوں اور درع یعنی چادر عورتوں سے متعلق ہے۔ درع کو سینے کے اوپر سے چاک کر دیتے ہیں۔ قمیص کو مونڈھوں کے اوپر سے۔ خمار اوڑھنی کو کہتے ہیں۔ خرقہ تین ہاتھ سے کم لمبا نہیں ہوتا اور عرض اس قدر ہوتا ہے کہ بغلوں سے لے کر گھٹنوں تک جسم چھپ جائے۔ خمار جنی اوڑھنی کا طول دو ہاتھ، عرض دو بالشت کافی ہوتا ہے۔

کفنانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بوریے پر اوّل لفافہ بچھاتے ہیں۔ پھر ازار دھونی دے کر پھر ازار پر بھی خوشبو چھڑک دیتے ہیں۔ بعد ازاں آدھی کفنی ازار پر بچھا کر آدھی میّت کے سر کی طرف رہنے دیتے ہیں۔ دھونی صندل اور اگر کی دی جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر سر، ڈاڑھی اور ساتوں اعضا پر حنوط کافور مل کر ستر عورت کے ساتھ کفنی پر لا کر لٹاتے اور کفنی کے چاک میں اس کا سر ڈال کر پہنا دیتے ہیں اب میت تیار ہوتی ہے۔ چارپائی پر بوریہ ڈال کر میّت کو اس پر رکھتے اور اوپر سے سفید چادر ڈال دیتے ہیں اگر عورت کا جنازہ ہوا تو گہوارہ[1] باندھ کر چادر ڈال دیتے ہیں بعض لوگ کسی متبرک کپڑے کی چادر ڈال کر مکّے کے غلاف کا ٹکڑا سینے پر رکھ دیتے ہیں۔

نہلانے اور کفنانے کے بعد اقارب مردے کا چہرہ آکر دیکھتے اور اس

---

[1] گہوارہ، چارپائی کی دونوں پٹیوں میں کھپچیاں باندھ کر جو محراب سی بنا دیتے ہیں اُسے گہوارہ کہتے ہیں۔

کی صورت کو ہمیشہ کے واسطے خیر باد کہتے ہیں۔ رسمِ دیدار کے بعد جنازہ گھر سے باہر لاتے، تین مرتبہ زمین پر رکھتے اور تین ہی مرتبہ اٹھاتے ہیں۔ جو لوگ شریکِ جنازہ ہوتے ہیں کم سے کم دس دس قدم تک چاروں پایوں کو کندھا دیتے اور کلمہ پڑھتے ہوئے مقامِ نماز تک لے جاتے ہیں۔

بعض لوگ میّت کے ماتھے یا کفن پر باامیدِ بخشش عہد نامہ بھی لکھ دیتے ہیں اور بعض صرف کاغذ پر لکھ کر قبر میں یا طاقچہ بنا کر قبر کے اندر رکھ دیتے ہیں۔ بعض ماتھے پر صرف (بسم اللہ) لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں۔ عہد نامہ ایک مخصوص دعا ہے جس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

عہد نامہ کا ترجمہ

اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے اور اے ڈھکی چھپی اور ظاہر و آشکار (چیزوں) کے جاننے والے خدا! میں اپنی دنیوی زندگی کی نسبت اقرار کرتا اور گواہی دیتا ہوں کہ تیرا شریک نہیں۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں۔

(میرے پروردگار!) اگر تو میرے نفس کی طرف دیکھے تو وہ تیرے نزدیک بھلائی سے دور اور برائی سے قریب یعنی معمور ثابت ہوگا (اس لیے) میں تیری رحمت کے بغیر (سہارے) کبھی (منزلِ مقصود) کو نہیں پہنچ سکتا۔ پس (اے میرے مولا!) میرے لیے (نجات) کا اقرار کر اور اسے قیامت کے دن پورا کر، یقیناً تو وعدہ خلاف نہیں ہے۔

جنازے کی نماز میں کم سے کم تین صفیں بنائی جاتی ہیں۔ جب نمازِ جنازہ پڑھ چکتے ہیں تو میّت کا وارث یا کوئی بڑا بوڑھا خواہ رشتہ دار اذنِ عام دیتا ہے۔ جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ہماری عام اجازت ہے۔ جن صاحبوں کا جی چاہے رخصت ہو جائیں۔ اپنا ہرج نہ فرمائیں۔ کامی اور دوست احباب اس وقت رخصت ہو جاتے ہیں۔

رشتے دار یا اور ہمدرد جن کو میت سے ذاتی اُنس تھا قبر تک باری باری سے کندھا دیتے ہوئے جاتے ہیں۔

قبرستان میں پہنچ کر جب تک جنازے کو کندھے سے اتار کر زمین پر نہیں رکھ لیتے سب کھڑے رہتے ہیں۔ قبر پہلے سے تیار ہوتی ہے یا کچھ کسر باقی ہوتی ہے تو اس وقت نکال دی جاتی ہے۔ قبر دو طرح کی بنائی جاتی ہے یا تو بغلی جس کا سب سے زیادہ ثواب ہے۔ ایک لمبا مثل قبر گہرا گھڑا کھود کر اس کے پہلو میں جانب قبلہ اندر ہی اندر قبر بنا کر مردے کو رکھ کر بیچ میں دیوار چن، اس گڑھے کو بھر دیتے ہیں اور اوپر سے قبر کا نشان بنا دیتے ہیں مگر ایسی قبر کے واسطے زمین کا سخت ہونا ضروریات سے ہے۔

دوسری قبر صندوقچی ہوتی ہے۔ یہ میت کے قد کے برابر لمبی اور قدِ آدم یا سینے کے برابر گہری ہوتی ہے۔ دونوں پہلو پٹاؤ کے واسطے چنے جاتے ہیں یا اگر مضبوط مٹی ہوئی تو اس کے اندر کھودنے میں رکھ دیے جاتے ہیں۔ جس بغلی گڑھے میں مردے کو رکھتے ہیں اُسے اور جس گڑھے میں تختہ رکھ کر نہلاتے ہیں اسے لحد کہتے ہیں۔ اس پچھلی لحد کو جو شخص کھودتا ہے، وہی بھرتا بھی ہے۔ صندوقچی قبر میں لحد نہیں ہوتی، پٹاؤ دیا جاتا ہے۔ میت کو قبر میں قریبی رشتہ دار اتارتے ہیں۔ قبر میں رکھ کر سرہانے اور پائنتی کی گرہ کھول دیتے ہیں۔ کمر کی گرہ رہنے دیتے ہیں۔ قبر میں رکھ کر مردے کا مُنہ جانب قبلہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت اگر قریبی رشتے دار چاہیں تو اس کا منہ بھی دیکھ سکتے ہیں۔

پٹاؤ دھرنے کے بعد تین تین مٹھی خاک تمام حاضرین ڈالتے اور اسے مٹی دینا کہتے ہیں۔ ہر ایک خاک کی مٹھی کے ساتھ مخصوص[1] دعا بھی پڑھتے ہیں۔ ادھر مردے کو قبر میں اتارتے ہیں ادھر گیہوں، نمک، پیسے، کوڑیاں جو جنازے کے ہمراہ لاتے ہیں غریبوں

---

[1] دیکھیے فرہنگ: مٹی دینا۔

کو تقسیم کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ گورکنوں کو گیہوں اور توشہ کی روٹی جو میت کے ساتھ جاتی ہے، دی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا قرآن شریف کسی طالب علم کو للہ دیا جاتا ہے۔ امیروں میں اس وقت سالن، روٹیاں، پلاؤ زردہ وغیرہ بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ میت کے کپڑوں میں سے ایک جوڑا بھی آج ہی للہ دے دیتے ہیں اور باقی پھر۔ جب مٹی دے چکتے ہیں۔ تو گورکن قبر کی نمود بنا دیتے ہیں۔ اس وقت ایک شخص سرہانے قبر کی مٹی پر انگلی رکھ، دوسرا پائنتی پر انگلی رکھ کر سورۂ بقر کا اوّل و آخیر حصہ پڑھتا ہے۔ اس کے بعد اذان دے کر فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ قبر کے اوپر ہری ہری ٹہنی یا کھجور کی ہری شاخ رکھ دیتے ہیں۔ اور اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ جب تک یہ ٹہنی ہری رہے گی مردے پر عذاب قبر نہیں ہوگا۔ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ ایسا ہی کیا اور فرمایا تھا۔ اب مردے کو اوّل منزل پہنچا کر واپس آجاتے ہیں۔ پہلے میت کے مکان پر جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور گھر میں جاتے وقت پان یا ساگ یعنی ہری چیز ایک آدمی لے جاتا ہے۔ گھر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد حاضری کھاتے ہیں۔ یہ حاضری کسی رشتے دار کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اس میں شیرمالیں، سیخ کے کباب، کتری ہوئی پیاز، مولی، پودینہ، پنیر وغیرہ یہ چیزیں ہوتی ہیں۔ اسی کو کڑوی کھچڑی یا کڑوی روٹی بھی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کنبے رشتے والے حاضری کے نام سے نقدی بھی ماتم دار کو دیتے ہیں۔ سرسمدھیانے والے کھانے کی حاضری اور نقدی دونوں چیزیں دیتے ہیں۔ میت کے گھر والے تین روز تک چولھا گرم نہیں کرتے۔ ان کے واسطے رشتہ داروں کے گھروں سے کھانا آتا ہے۔

آج ہی کے دن دونوں ٹھلیاں، دونوں بدھنیاں، بوریا چارپائی اور جلانے کا تیل مسجد میں بھجوایا جاتا ہے۔ جس جگہ مردے کا دم نکلتا ہے وہاں لوبان اور چراغ چالیس روز تک برابر جلاتے اور فاتحہ کی روٹی مسجد میں اسی عرصے تک متواتر

بھجواتے ہیں۔ اگر کسی کی بیاہی بیٹی مر جاتی ہے تو اس کے والدین یا سگا بھائی خواہ سوتیلا بھائی کفنانے دفنانے کا سارا خرچ اٹھاتا ہے جسے اخیر دان کہتے ہیں۔ امیر لوگ پھولوں کا خرچ بھی اپنے ذمّے لے لیتے ہیں۔ اس میّت کی حاضری کا روپیہ اس کی ساس کو دیا جاتا ہے اور بصورت نااتفاقی ساس کے رشتہ دار ساس کو، میکے کے رشتے دار مرنے والی کے ماں باپ کو دیتے ہیں۔ آج ہی سے جو لوگ رشتے دار ہوتے ہیں وہ عذر خواہی کو آتے، فاتحہ پڑھتے اور صرف تسکین کے الفاظ سُنا کر چلے جاتے ہیں۔ عورتیں عورتوں میں پُرسہ دینے آتی ہیں۔ قریبی رشتے والیاں تو مرنے کے دن سے ہی آنی شروع ہو جاتی ہیں اور باقی پھولوں کے روز آجاتی ہیں۔ بلکہ یہ سلسلہ چالیسویں تک جاری رہتا ہے۔

ماتم دار عورت کو ہر ایک پرسہ دینے والی کے ساتھ رونا پڑتا ہے جسے منہ ڈھانکنا اور پرسہ لینا کہتے ہیں۔ پرسہ لینے والی عورت صاحبِ خانہ ہوتی ہے۔ اس میں بیوی ہو، نانی ہو، دادی ہو یا بہن کوئی ہو۔

جس وقت کوئی پرسہ دینے والی آکر اترتی ہے تو ماتم دار کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ جاتی ہے۔ یہ اس کے بیٹھتے ہی پلّہ لیتی، منہ ڈھانکتی، میّت کے اوصاف اپنی تکلیف اور صدمہ بیان کرتی اور چلّا چلّا کر روتی ہے۔ وہ بھی اس کے ساتھ رونا شروع کر دیتی ہے۔ جب کچھ دیر ہو جاتی ہے تو پرسہ دینے والی پرسہ لینے والی کا ماتھا پکڑتی ہے تاکہ سر میں درد نہ ہو جائے، اسے سمجھا کر صبر دلاتی اور مرنے کی کیفیت دریافت کرتی ہے۔ غرض ماتم دار کو چالیس روز تک اسی طرح ہر ایک پرسے کو آنے والی عورت کے ساتھ رونا یعنی پرسہ لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ نمونۃً اس کے بیان کے دو ایک اصلی فقرے لکھے جاتے ہیں:

بیان

مثلاً باپ کے مرنے پر بیٹی روتی ہے۔ "ہائے بابل میرے کس پر چھوڑا گھر بار"

ہائے ابّا تم نے مجھے کس پہ چھوڑا۔ ہائے اب میں کس کو ابّا کہوں گی، ہائے یہ میرے ننھے پھلر واسے بھائی بہن اب کس کے آنے کی راہ دیکھیں گے۔" اور اگر خاوند کا انتقال ہوا ہے تو یوں روتی ہے" اے میرے وارث تونے مجھے کس پر چھوڑا، اے میرے سہاگ کے رکھنے والے مجھ نربھاگی سے منہ کیوں موڑا۔ اب کون میرا مان گون رکھے گا۔"

اور اگر کم سن بیٹا مرا ہے تو ان فقروں سے اسے روتی ہے۔ "ہائے میرے لال تم نے مجھے کس پر چھوڑا، ہائے میں تو یہ جانتی تھی کہ مجھ کو یہ جاکر رکھے گا، ہائے میرے کلیجے میں آگ لگ رہی ہے، میں کیا کروں، ہائے میرے لال تمہیں کیا کہہ کر رؤوں، اللہ نے میرے اتنے دنوں کی محنت لے لی، ہائے میں کیا جانتی تھی، میرے لال تم مجھ کو چھوڑ کر چلے جاؤ گے، میرے میاں تم نے جنگل آباد کر لیا ہے، مجھ کو میرے میاں نے نہ بلایا، اے میرے لال تو مجھے چھوڑ کر کہاں چلا گیا، اے میرے لال میرے کلیجے کی آگ آکر بجھا دے۔"

بیٹی ماں کے مرنے پر اس طرح روتی ہے" ہے ہے وہ بندی تو ابھی سے بِن میّاں کی ہو گئی، ہائے اماں اب میں کس کے پاس میکے جاؤں گی، ہائے اللہ میرا میکا اُجاڑ دیا، ہائے میرے دکھ درد کا سننے والا کوئی نہ رہا۔"

غرض اسی طرح کا رونا پیٹنا میّت کے اٹھانے سے اس کے چہلم تک ہوا کرتا ہے۔ شریعت میں تین دن تک ماتم جائز ہے۔ رونا پیٹنا منع مگر آنسوؤں سے رونا داخلِ گناہ نہیں لیکن ہندوستان کی عورتوں میں چالیس دن تک کم سے کم اور برس روز تک زیادہ سے زیادہ سوگ رکھا جاتا ہے۔ جس میں بیاہ شادی وغیرہ کوئی خوشی کی تقریب نہیں کی جاتی اور نہ کسی شادی میں شریک ہوتی ہیں۔ لیکن اب یہ دستور بہت کم ہو گیا ہے۔ صرف چالیسویں تک یہ پابندی رہتی ہے۔

جس کا خاوند مر جاتا ہے وہ تاریخِ وفات سے سوا چار مہینے تک بناؤ سنگار کرتی

نہ نیا کپڑا پہنتی ہے اور نہ کسی غیر محرم[1] کے سامنے ہوتی ہے۔ اسی کو عدت کہتے ہیں۔ خاوند کے مرتے ہی چوڑیاں جو سہاگ کی علامت ہیں توڑ دی جاتی اور تمام زیور اتار لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ناک میں کیل تک نہیں رکھنے۔ اس بیوہ کو پھولوں کے روز رنڈ سالہ پہنایا جاتا ہے جو خاص ہندوؤں کی رسم ہے۔ اس میں کوراکرتا، نیا پاجامہ، نیا دوپٹہ۔ بیوہ کی ماں یا بہنیں یا اور قریبی رشتے داروں کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی طرح مسلمانوں میں بھی بیوہ کی دوسری شادی ہندوستان، کے رواج کے موافق نہیں کی جاتی ہے جوانیں، نوعمریں تمام عمر بیٹھ کر رانڈاپا کاٹتی اور اپنے خاوند کی اسی میں ناک سمجھتی ہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے اس میں یہاں تک ترقی کی ہے کہ منگیتر کو بھی باوجودیکہ اس کا نہ تو نکاح ہوا ہے اور نہ اس غریب نے خاوند کی صورت دیکھی ہے رانڈوں کی طرح سے محروم رکھا جاتا ہے۔ لیکن اب یہ رسم بہت ہی کم ہے۔ نکاحِ ثانی بعض بعض خاندانوں میں ہونے لگا ہے، لیکن خاص شہر دہلی میں۔ دیہات کے لوگ اب بھی اس کو بہت بڑا عیب اور بے عزتی سمجھتے ہیں۔

غریب ہر جمعرات کو مردے کی فاتحہ سوا مہینے تک دلواتے ہیں اور امیر برابر کھانا پکا کر للہ دیتے رہتے ہیں۔

فاتحہ سوم یا پھول جسے تیجا کہتے ہیں

وفات کے تیسرے روز پھولوں کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اگر بدھ کو تیسرا روز

[1] غیر محرم جس سے نکاح جائز ہو۔

پڑتا ہے تو ایک دن بڑھا دیتے ہیں۔ عورتوں کا خیال ہے کہ اگر بدھ کے روز پھول کیے جائیں تو چار بدھوں کو رنج اٹھانا پڑتا اور ویسا ہی موقع پیش آجاتا ہے۔ علیٰ ہذا اگر بدھ کو کوئی خوشی کا کام کیا جائے تو اسے متواتر چار خوشیوں کا موقع ملتا ہے۔

جس روز میّت کو دفن کر کے آتے ہیں صاحبِ خانہ پھولوں کا دن اسی روز بتا دیتا ہے کہ فلاں روز رسمِ فاتحہ سوم ادا ہوگی۔ تیجے کے روز صبح سے دس بجے تک مرد مقامِ فاتحہ پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور عورتوں کے آنے کا تانتا تو شام تک برابر لگا رہتا ہے۔ مہمانوں کے واسطے عمدہ عمدہ کھانے تیار کیے جاتے ہیں اور بعد از فاتحہ انہیں کھلائے جاتے ہیں۔ مردوں کو کھلانے کا دستور امیروں میں اور عورتوں کو کھلانے کا طریق عام ہے۔ بلکہ رشتے دار مردوں کو بھی اس کھانے میں شریک کر دیا جاتا ہے۔

عورتوں میں گھر کے اندر حلوے پر مردے کی نیاز دلوائی جاتی ہے جسے بھتّی یا حلوائے مرگ کہتے ہیں۔ یہ فاتحہ ماتم دار یعنی صاحبِ خانہ یا چچا، ماموں یا باپ وغیرہ اندر آکر دے جاتا ہے۔ باہر مردوں میں پورا قرآن شریف ایک ایک دو سپارے کر کے ختم کیا جاتا اور مردے کی روح کو بخشا جاتا ہے اور چنوں پر فی چنا ایک ایک کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ پڑھنے کے واسطے ساڑھے بارہ سیر چنے کافی ہوتے ہیں۔ کیونکہ سوا لاکھ مرتبہ کلمہ پڑھا جانا چاہیے، جس سے مردے کی نجات ہو جاتی ہے اور یہ مقدار اس کے واسطے کافی ہوتی ہے۔ لیکن ہجومِ خلقت کے موافق یہ وزن بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔

جب چنے اور قرآن شریف ختم ہو جاتا ہے تو چنوں کو ایک چادر میں اکٹھا کر کے اس میں الائچی دانے ملا دیتے ہیں۔ اب فاتحہ خوانی شروع ہوتی ہے۔ کئی آدمی مل کر باری باری سے قرآن شریف کی سورتیں پڑھتے ہیں۔ جسے قل بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس روز اوّل کوئی رکوع یا بڑی سورت پڑھ کر تین مرتبہ قل ھو اللہ، ایک ایک مرتبہ

قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس پڑھ کر سورۂ فاتحہ شروع کر دیتے اور اس کے ساتھ ہی سورۂ بقر کا رکوع شروع کر کے باقی معمول کی آئتیں پڑھ کر میت کے واسطے دعائے مغفرت مانگتے ہیں۔ جس وقت فاتحہ شروع کرتے ہیں اس وقت ارگجا[1] چنوں کے پاس رکھ دیتے ہیں اور لوبان یا اگر کی بتی روشن کر دیتے ہیں۔ جب فاتحہ ختم ہو جاتی ہے تو ایک طرف سے لوگ چنے تقسیم کرتے جاتے ہیں، دوسری جانب سے ارگجے کے پھول ڈلواتے جاتے ہیں۔ کچھ چنے بعد میں آنے والوں کے واسطے رکھ چھوڑتے ہیں اور باقی عورتوں میں تقسیم کرنے کو بھیج دیتے ہیں۔ ارگجا اس مرکب خوشبو کا نام ہے جو برادۂ صندل، مشک، کافور، عنبر اور عرقِ گلاب سے تیار کر کے ایک پیالے کے اندر رکھی جاتی ہے اور اس پیالے کو پھولوں کی بھری ہوئی رکابی میں رکھ کر ہر ایک فاتحہ خواں کے پاس لے جاتے ہیں۔ وہ ایک ایک پھول اٹھا کر اور اس پر سورۂ اخلاص پڑھ کر ارگجے کے پیالے میں ڈال دیتا ہے اور یہ سارا سامان مع چادرِ گل مردے کی قبر پر اسی روز بھیج دیا جاتا ہے۔

اگر کسی کا باپ مر جاتا ہے تو اس وقت اسے جائز وارث قرار دینے کی غرض سے ننھیال والوں کی طرف سے پگڑی بندھوائی جاتی ہے جسے دستار بندی کہتے ہیں سب سے پہلے بڑے لڑکے کو جو اس کا جانشین قرار دیا جاتا ہے، اس کے بعد باقی لڑکوں خواہ یتیموں کو دستار بندی میں ایک ایک پگڑی اور اس کے ساتھ کچھ نقدی بھی دی جاتی ہے۔ دستار بندی یا فاتحہ خوانی کے بعد ان دیگوں پر نیاز دی جاتی ہے جو مہمانوں اور غربا کو تقسیم کرنے کے واسطے پکائی جاتی ہیں۔ جس طرح مرنے کے ساتھ ہی ایک جوڑا فی سبیل اللہ دیا گیا تھا اسی طرح آج کے روز دوسرا جوڑا دیا جاتا ہے بلکہ دسویں

[1] اس کی مفصل کیفیت تمہید میں بیان کر دی ہے۔

بیسویں اور چہلم کو بھی ایک ایک جوڑا فی سبیل للہ دیتے ہیں جس کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

پھولوں کے بعد دسویں کی فاتحہ ہوتی ہے۔ یعنی جب مردے کو مرے ہوئے دس روز ہو جاتے ہیں تو اس روز اس کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کھانا پکوا کر اور اس کے ساتھ ایک کپڑوں کا جوڑا رکھ دیا جاتا ہے۔ مہمان کے طریق قریبی رشتے کی عورتیں بھی آجاتی ہیں۔ اسی طرح بیسویں اور مہینے کی فاتحہ مع جوڑے کے دلوائی جاتی ہے۔

چالیسواں

جب میت کو دفنائے ہوئے تقریباً چالیس روز ہو جاتے ہیں تو چالیسویں کی رسم ادا کی جاتی ہے لیکن اس کے لیے یہ خصوصیت نہیں ہے کہ پورے چالیس روز ہی کرائے جائیں، کم سے کم تین یا پانچ روز گھٹا دیا کرتے ہیں آج کے روز نیا جوڑا نئی جوتی اور پانچ برتن مثلاً لوٹا، کٹورا، رکابی خواہ تشتری، پتیلی، کفگیر اس کے علاوہ تسبیح مسواک، جانماز وغیرہ بھی للہ دی جاتی ہے اور اگر عورت ہے تو اس کے لیے زنانہ جوڑا، زنانی جوتی، کنگھی، مسی، سرمہ عطر وغیرہ زیادہ کر دیتے ہیں۔

چالیسویں کو بھی اسی قدر افراط سے کھانا پکایا جاتا اور مہمان جمع کیے جاتے ہیں جس قدر پھولوں کے روز ہوئے تھے۔ آج کے روز سوگ اتر جاتا ہے۔ لیکن دیہات میں برس روز تک بھی سوگ رہتا ہے۔ یعنی میت کے گھرانے والے نہ تو کسی کی شادی اور خوشی کی تقریب میں شریک ہوتے ہیں اور نہ اپنے ہاں کوئی شادی رچاتے ہیں

اگرچہ شرعاً پکی قبر بنانی درست نہیں مگر اکثر لوگ نمود قائم رکھنے کے واسطے

یا تو بالکل پکّی یا ہودہ کچا رکھ کر چبوترہ پکّا بنوا دیتے ہیں۔ پکّی قبر چالیس روز کے بعد بنائی جاتی ہے۔ مرد کی قبر ماہی پشت اور عورت کی سپاٹ ہوتی ہے۔

سہ ماہی، چھماہی، اور برسی کی فاتحہ پر بھی ایک ایک جوڑا خیرات کیا جاتا ہے۔

صاحبِ مقدور چالیسویں کے بعد روٹی بھی کیا کرتے ہیں جس میں باقرخانیوں کے سیر سیر یا دو دو سیر کے جوڑے، نقلوں کی ٹھیلیاں یا میٹھا تمام خویش واقارب اور میل ملاپ والوں کو گھر بیٹھے تقسیم کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اپنی روٹی اپنی زندگی میں خود کر جاتے ہیں۔ خدا جانے ان کے بعد کوئی کرے یا نہ کرے۔ روٹی سے غرض یہ ہے کہ جن جن لوگوں کی تقریبوں یا موتوں کا کھانا اپنی زندگی میں کھایا، انھیں یہ کھلا کر احسان اتار دیا جائے۔

عَرفہ

جس سال مردہ مرتا ہے اس سال کی شب برات کو فاتحہ نہیں دلواتے بلکہ اس کی بجائے عَرفہ کو یعنی شب برات کے ایک روز پہلے نیاز دلوا دیتے ہیں۔ دوسرے سال سے وہ مردوں میں شامل کیا جاتا ہے اور پھر ہر ایک شب برات کو اور مردوں کے ساتھ میں اس کی فاتحہ بھی دلوائی جاتی ہے۔

تبارک[1]

مرنے کے بعد جو رجب[2] کا مہینہ آتا ہے تو اس مہینے کے اندر اندر میّت کے

[1] تبارک کے لغوی معنی بزرگ، یہاں قرآن شریف کی اس مشہور سورۃ سے مراد ہے (بقیہ صفحہ ۱۷۵ پر)

وارث جمعے یا جمعرات کو مردے کی بخشش کے واسطے کم سے کم اکتالیس مرتبہ سورۂ تبارک پڑھوا کر مردے کی ارواح کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ بعض سو سو، سوا سوا سو مرتبہ بلکہ جس قدر زیادہ ممکن ہوتا ہے مختلف لوگوں سے سورۂ مذکورہ پڑھوا کر مردے کے نام پر بخشوا لیتے ہیں۔ اس سے مردے کی روح کو تقویت ہوتی اور وہ بخشا جاتا ہے۔

اس میں اکثر میدے کی میٹھی روغنی تنوری روٹیاں جن کے اوپر سونف پستہ، بادام، خشخاش جمی ہوئی ہوتی ہے، تقسیم کی جاتی ہیں۔ اگر روٹیاں نہ ہوں تو بالوشاہی یا کوئی اور مٹھائی خواہ کھیلے فاتحہ دلوا کر اقارب واحباب کو بانٹ دیے جاتے ہیں۔

یہ رسم شارعِ اسلام نے مقرر نہیں فرمائی مگر یہ خیال خیرات مثل ادعیہ ماثورہ اسے مانتے ہیں۔ ادعیہ ماثورہ وہ دعائیں ہیں جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے اصحاب سے منقول ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۷۴ سے آگے) جس سے انتیسواں سپارہ شروع ہوتا ہے۔ اس سورۃ کی بہت سی بزرگیاں لکھی ہیں۔ از روے مذہبِ اسلام یہ سورۃ مانعِ عذابِ قبر اور شافعِ روزِ محشر ہے اکثر مسلمان اسے رات کو پڑھ کر سویا کرتے ہیں تاکہ عذابِ قبر اور تکالیفِ حشر سے نجات پائیں۔

[2] رجب مسلمانوں کے قمری سال کا ساتواں واجب التعظیم اور متبرک مہینہ ہے جسے اہلِ عرب شہر اللہ کہا کرتے تھے۔ اس مہینے کی نسبت رسولِ مقبولؐ فرمایا کرتے تھے کہ رجب بہشت کی ایک نہایت شیریں برف کی مانند مصفا پانی والی نہر کا نام ہے جو اس مہینے میں روزہ رکھے گا اس نہر کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی پیے گا۔ اس مہینے کا زمانہ اکثر وسطِ ستمبر سے وسطِ اکتوبر تک ہوتا ہے۔

دلیبا

مرنے کے دو برس بعد خاص تاریخِ وفات پر دیسے کی رسم برتی جاتی ہے اس میں قریبی رشتے کے مہمان جمع ہوتے ہیں اور نیاز دلوائی جاتی ہے۔ دیسے کی مہمانی اکثر عورتوں کی ہوتی ہے۔ اس موقع پر بھی نیا جوڑا اللہ دیا جاتا ہے۔

سہاگنوں اور اوتوں کی فاتحہ

جب کبھی بیاہ یا بال بچّہ پیدا ہونے کی خوشی منائی جاتی ہے تو ان عورتوں کو جو سہاگن رہنے کی حالت میں مر جاتی ہیں یا ان مردوں کی جو بن بیاہے دنیا سے گزر جاتے ہیں اچھے اچھے کھانوں پر نیاز دلوائی جاتی ہے تاکہ وہ اس خوشی کے موقع سے محروم نہ رہیں۔ مگر یہ نیاز بزرگوں کی نیاز کے بعد دلوائی جاتی ہے یعنی بیوی کی صحنک پیغمبر کی نیاز دلوا چکتے ہیں جب اُن کی باری آتی ہے۔

فصل کی ترکاریاں

ہر ایک فصل کی نئی ترکاری مثلاً خربوزے، آڑو، فالسے، آم وغیرہ جب نکلتے ہیں تو پہلے منگوا کر مردے کی فاتحہ ان پر دلواتے اور بعد میں آپ کھانا شروع کرتے ہیں۔

اذکار مردگاں

مرد جب کبھی کسی مردے کا ذکر کرتے ہیں تو پہلے خدا بخشے، خدا جنت نصیب کرے وغیرہ اس قسم کے الفاظ زبان سے نکال کر اس کا نام لیتے اور بیان کرتے ہیں۔

عورتیں بھی عورتوں کی نسبت اس قسم کے الفاظ زبان سے نکال کر عورت ہوئی تو بہشتن، مرد ہوا تو بہشتی کہہ کر ذکر کرتی ہیں بلکہ وہم کے سبب ان کی ارواح اُدھر ہی رہے، یہ کہنے کے بعد زبان پر نام لاتی ہیں تاکہ ان کی روح اس طرف توجہ فرما کر زندوں کو بھی اپنی جانب نہ گھسیٹ لے۔

قبروں کی درستی

محرم کے دنوں میں عشرہ کے اندر اندر مردے کے وارث اپنے رشتے داروں یا لواحقوں کی قبروں پر مٹی ڈلواتے اور پانی چھڑکواتے اور اسے باعثِ ثواب سمجھتے ہیں۔

شہید مردے

ان مردوں سے مراد ہے جو امرِ حق پر یا راہِ خدا میں مارے گئے ہوں یا انھیں ناحق باغیوں، حربیوں، رہزنوں خواہ کافروں نے از راہِ تعصب بے گناہ قتل کر دیا ہو اور ان میں کوئی قتل کی نشانی مثلاً ناک، کان، آنکھ وغیرہ سے خون کا جاری ہونا بھی پایا جاتا ہو۔ ایسے مردے کو بغیر نہلائے بغیر کفنائے ان ہی خون آلودہ کپڑوں سے دفن کر دیتے ہیں۔ مگر نمازِ جنازہ ضرور پڑھتے ہیں۔ جن لوگوں کو ناحق زہر دے کر مارا جاتا ہے وہ بھی شہیدِ کامل ہیں۔ چنانچہ حضرت امام حسنؓ یا دیگر امام جو زہر سے ہلاک کیے گئے شہید کامل ہیں۔ یہ اوّل درجے کے شہید یا شہیدِ کامل مانے جاتے ہیں۔ اور جو لوگ اتفاقیہ صدمے سے مر گئے ہوں جیسے دب کر، گر کر، وبا سے، طوفان سے، بجلی سے، جلنے سے، زہریلے جانور کے کاٹے سے، گھوڑے سے گر جانے، ذات الجنب یا مرضِ دق وغیرہ سے، عورت ہو تو وہ جننے یا مرض دق کے سبب مرنے

سے دوسرے درجہ کے شہیدوں میں شمار ہوتی ہے۔ ایسے شہیدوں کو پوری شرطوں کے ساتھ نہلایا اور کفنایا جائے گا۔

ہر قسم کے شہید ثوابِ آخرت کے مستحق ہوتے ہیں۔ جاہلوں میں مشہور ہے کہ اوّل درجے کے شہیدوں کا خون تاقیامت بند نہیں ہوتا۔ اُن کی قبر جب کھودو خون آلودہ نظر آئے گی مگر یہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ ان لوگوں کی فاتحہ درود بھی دلوائی جاتی ہے بلکہ کامل شہیدوں کی قبروں پر عام لوگ ہر جمعرات کو روشنی کرتے، پھول شیرینی چڑھاتے، ان کی قبروں کا بڑا ادب کرتے ان سے مرادیں مانگتے اور مقبولِ بارگاہِ الٰہی جانتے ہیں۔

جس طرح دوسرے درجے کے شہیدوں کو غسل اور کفن دیا جاتا ہے اسی طرح اس شہید کو بھی نہلانا اور کفنانا پڑتا ہے جس کا قاتل معلوم نہ ہو چنانچہ اس شہادت کو شہادتِ مستور کہتے ہیں اور اس پر احکام شہید جاری نہیں کیے جاتے۔

شہداے کربلا

ان بہتر تنوں یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اعزا اقربا و انصار سے مراد ہے۔ جو دشتِ کربلا میں یزید علیہ اللعنۃ کے حکم سے دس دن کے اندر بلا قصور ماہِ محرم سنہ ۶۱ ہجری میں شہید کیے گئے۔ ماہِ محرم میں ان کی نیاز دلوائی جاتی، تعزیے بنائے جاتے مرثیے پڑھے جاتے اور مجالسِ ماتم منعقد کی جاتی ہیں۔ جگہ جگہ سبیلیں شربت کی، پانی کی، دودھ کی لگائی جاتی ہیں کیونکہ آپ بھوکے اور پیاسے شہید ہوئے تھے مسکینوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ تاکہ آپ کی بھوک یاد آئے۔ یہ ایک بڑا ابھاری مذہبی واقعہ ہے جس کی بنا یزید پلید کی امام حسین علیہ السلام سے ناواجب اور غیر مستحق بیعت طلبی ہے۔ اگر آپ اس گمراہ و بدراہ سے بیعت کر لیتے تو امت رسول اللہ میں

خللِ عظیم پیدا ہو جاتا اور اسلام کی ساری باتیں اپنے اصول سے گر جاتیں۔ آپ نے فقط دینِ محمدی کے قیام و استقلال کے واسطے اپنی جان اپنے نانا کی امت پر نثار کی اور مع خاندان اس قدر صعوبت اٹھائی کہ کوئی کیا اٹھائے گا۔

اس واقعہ جاں کاہ و ہوش ربا کے سوگ میں اہلِ شیعہ چار پائیوں پر سونا پان کھانا[1]، آرام پانا مطلق چھوڑ دیتے ہیں۔ اہلِ سنّت و جماعت بھی بیاہ شادی کرنا کسی قسم کی خوشی منانا ذرا روا نہیں رکھتے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے پیاسوں کو پانی پلاتے، روزہ رکھتے، ذکر شہادت سنتے اور نہایت ہی رنج کرتے ہیں۔

چونکہ محرم میں عام مسلمانوں پر یہ دینی صدمہ چھایا ہوا ہوتا ہے اور وہ ان دنوں میں لڑنے مرنے کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اس وجہ سے یہ مثل مشہور ہو گئی ہے کہ محرم کے غازی اور رمضان کے نمازی اپنی بات کے پورے اور عادت کے پکے ہوتے ہیں، ان سے الجھنا مناسب نہیں۔ ان کے نزدیک ان دنوں میں مرنا شہادت کا مرتبہ پانا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جیسا یہ غم والم اور ماتم کا موقع ہے اس کی بجاے عوام کالانعام اسے ایک میلہ بنا کر وہ حرکتیں کرتے ہیں۔ جن سے رنج کی بجاے خوشی ظاہر ہوتی ہے۔ تاشوں سے، ڈھولوں سے ماتم کیا جاتا ہے۔ تال سر کے ساتھ مرثیے پڑھے جاتے اور ان میں ایسی ایسی علمِ موسیقی کی باریکیاں ظاہر کی جاتی ہیں کہ وہ سرتاسر نامناسب اور بیجا معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی ضرور ہے کہ حضرت انیسؔ و دبیرؔ وغیرہ نامی شعراے لکھنؤ نے مرثیہ گوئی، مرثیہ خوانی کو

---

[1] پان کی بجاے ان لوگوں نے گوٹا ایجاد کیا ہے جو کھوپرا، دھنیہ، مغز خربوزہ، الائچی بن چھالیہ وغیرہ ڈال کر بنایا اور کھایا جاتا ہے۔

ایک خاص علم اور فن بنا دیا ہے۔ ان کی قادر الکلامی سخت دلوں کو بھی رُلائے بغیر نہیں رہتی۔ خیر کچھ ہی ہو اس سے قیامت تک یہ واقعہ یاد رہے گا اور ویسے ناحق شناسوں کو روزِ محشر تک آماجگاہ رُسوائی اور بدنامی بنائے گا۔

اس واقعے کے ساتھ حضرت امام حسن علیہ السلام کو بھی یاد کیا جاتا ہے، اور تعزیئے کے اندر دو تربتیں بنا کر رکھی جاتیں جس میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی تربت سبز، زہر دیئے جانے کے سبب بنائی جاتی ہے۔

شب برات

اس کے لغوی معنی ہیں حصے تقسیم ہونے کی رات اصطلاحی ماہ شعبان کی چودہویں شب جس میں فرشتے بحکمِ الٰہی رزق کی تقسیم اور عمر کا حساب لگاتے ہیں۔ اس تاریخ میں اہلِ اسلام اپنے مردوں اور پیشواؤں کی فاتحہ دلواتے، سارا گھر یا خاص کر فاتحہ کی جگہ اور چولہا لیپتے پوتتے، کوری کوری ٹھلیاں، کورے کورے آبخورے، لاتے حلوہ پوری پکاتے، باہم حصے تقسیم کرتے، آتش بازی چھوڑتے اور اسے ایک مُردوں کی خوشی کا تہوار سمجھتے ہیں۔

اس موقعے پر سب سے پہلے پیغمبر صاحب ان کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ و دیگر پیشوایانِ مذہب یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا سے لے کر اولیاء اللہ تک کی نیاز دلوائی جاتی ہے۔ اس کی ابتدا یہ ہے کہ جب رسولِ مقبول جنگِ اُحد فتح کر کے اپنے یاروں کے ساتھ مدینۂ منورہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے تو دیکھا، ہر ایک شخص اپنے اپنے مردوں کی تعزیت کرتا، اُن کو روتا، اور اُن کے نام کی فاتحہ دوا رہا ہے یہ حال دیکھ کر آپ ﷺ نے ارشاد کیا کہ افسوس امیر حمزہ کا کوئی بھی رونے والا نہیں۔

انصار نے یہ سُن کر فوراً اپنی اپنی عورتوں کو امیر حمزہ کے گھر بھیج دیا تاکہ ماتم داری کریں۔ شام سے لے کر آدھی رات تک وہ عورتیں ان کا ماتم کرتی اور مرثیہ پڑھتی رہیں۔ چنانچہ اب تک اہلِ عرب میں یہی دستور ہے کہ کوئی کسی مردے کی تعزیت کو کیوں نہ آئے مگر پہلے حضرت امیر حمزہ کی تعزیت کرے گا۔ بعد میں اس میّت کی جس کے گھر پر آیا ہے۔ غرض شبِ برات کی فاتحہ کا دستور اسی موقع سے منسوب کرتے ہیں، اُن کی فاتحہ کے بعد اوتوں[1] کی اور سہاگنوں[2] کی جدا جدا فاتحہ دلوا کر باقی رشتہ داروں کی ایک ہی جگہ نیاز دلوا دیتے ہیں۔ جداگانہ نیاز کے ساتھ ایک ایک پانی کا آبخورہ اور دو دو چار چار چپاتیاں خواہ پوریاں اور میٹھا رکھتے جاتے ہیں۔ عوام میں مشہور ہے کہ آج کے روز مردے اپنے اپنے عزیزوں کے مکان پر آتے اور ان سے فاتحہ کے خواستگار ہوتے ہیں۔ جاہلوں میں یہ بھی زبان زدِ خاص و عام ہے کہ جس شخص کو آج کے روز اپنا سایہ نہ دکھائی دے وہ آئندہ شب برات تک زندہ نہیں رہے گا۔

شب برات کے موقع پر یہ فقرے بطور ضرب المثل نہایت مشہور ہیں جن سے شب برات کی تیاری اور اس کے لوازمات کا اچھا ثبوت ملتا ہے۔

آمد شب برات، بہو ساس سے لڑی
کوئی لیپے کوئی پوتے، کوئی کمہار کے کھڑی
مٹکے اچھے دیکھیو بھیّا آویں گے مردے
چھوڑیں گے انار اور پھلجھڑی

1۔ اوتوں سے مراد مردے ہیں جو بن بیاہے یعنی کنوارے مر گئے ہیں۔

2۔ سہاگن وہ عورتیں جو بیاہ ہو جانے کے بعد فوت ہو جائیں۔

استاد لوگ شب برات میں بچوں کو عیدیاں تقسیم کرتے اور ان کا انعام لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک عیدی اس جگہ بھی لکھ دی جاتی ہے۔

عیدی

شبِ برات تو چوں روز عید روشن باد
گل مرادِ تو خنداں و خوش چو گلشن باد
ہمیشہ دولت و بخت و سعادتِ ازلی
ز فیضِ لطفِ الٰہی ترا بدامن باد

تمت

فرہنگ

رسوم دہلی

فرہنگ رسومِ دہلی

آ

آبادی چلی — بیاہ کے بعد لڑکی کا ماں باپ کے گھر رہنا سہنا ختم ہوا۔ گھر کی رونق جا رہی ہے۔

آثار شریف — جامع مسجد، دہلی کے شمال مشرقی دالان میں آنحضرت صلعم کے سر مبارک کا بال، آپ کا نقشِ قدم اور بعض دوسرے تبرک جن کی زیارت کی جاتی ہے۔

آنچل پلو (نون غنہ) مقیش کی جھالر کا دوپٹہ جس کے دونوں کناروں پر عرض میں زری کا کام ہو۔

آنول (نون غنہ) وہ ٹکیہ جو نومولود بچے کی نال کے آخر میں ہوتی ہے۔

(الف)

ادوان (فت ا، سکن د) چارپائی کے پائنتی کی رسی جس سے بنائی کو کسا جاتا ہے۔

ازار (کس ا) مردے کا تہبند، عام معنی میں ستر پوشی کا کپڑا، پاجامہ۔

ازدیاد (کس ا، د) افزائش، بڑھوتری، بڑھنا۔

اقل درجہ (فت ا، شد ل) کم سے کم حصّہ، قلیل کا صیغہ، تفضیل اقل ہے۔

اکھو مکھو — بچّوں کے بہلانے کے بول ہیں۔

(فت ا، م، و مج) "اکھو مکھو ننّے کو اللہ رکھو"

الخالق — ایک قسم کی روئی کی قبا جس کا سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے۔

امورات (ضمہ ا، و مع) امر کی جمع الجمع بمعنی بہت سے کام یا باتیں۔

اوپر والیاں — (زچگی کے وقت) اوپر کا کام یعنی متفرق گھریلو کام کاج کرنے والی عورتیں۔

اودھم (و مع، فت د ھ) غل، شور، دھما چوکڑی، نیز اُدھم۔

اوقچہ (و مج) پلنگ کا جھالردار بچھونا جو اطلس کمخواب یا مشروع کا ہوتا ہے اور پلنگ کے چاروں طرف پڑا رہتا ہے۔

ام الصبیان (کس ص) صرع، بچّوں کا مرگی کا مرض۔

اخیر دان — بہنوئی کے مرنے پر بھائی کا کفن و دفن کے اخراجات اٹھانا۔

ادعیہ ماثورہ (فت ا، شد ی) وہ دعائیں جو آنحضرت صلعم یا ان کے اصحاب سے منقول ہیں۔

(ب)

بابل (ضم ب) باپ

بادیہ (کس د، فت ی) تانبے کا بیندے والا بڑا کٹورہ۔

باڑ روکنا — بہنوں کا دوپٹے تان کر دولہا کا راستہ روکنا۔

بالاپوش — بستر کو ڈھانکنے کی چادر، پلنگ پوش۔

بٹھا رکھنا — لڑکی کی شادی نہ کرنا۔

بدھی (فت ب، شد د ھ) پھولوں کے ہاروں کا بنا ہوا زیور جو کاندھوں سے کمر تک پڑا اور سینے اور پیٹھ پر آڑی لڑیوں کی صورت میں سجا ہوتا ہے۔

بدھاوا (فت ب) بچہ پیدا ہونے کی مبارکباد کا انعام ۔

بلائیں لینا   صدقے، قربان ہونا۔ کسی کے سر سے منہ تک ہاتھ پھیر کر اپنی کنپٹیوں پر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں رکھ کر چٹخانا ۔

بنج (فت ب، ن) بیاہ شادی، رشتہ ناتا، اصل معنی لین دین، بیوپار۔

بویں   بمع کا بگاڑ، مثلاً بویں فرزند کے ۔
(فت ب، و مج ن غنہ)

بور (و مع) گیہوں، پھلوں یا بیجوں کا خشک چھلکا (بور کے بڑے اور لڈو مشہور ہیں) ۔

بورغ بند (و مج) بڑا بقچہ، گٹھڑی باندھنے کا کپڑا ۔

بھٹ (فت بھ) چولھے کی سوختہ راکھ کی پپڑیاں۔

بہنگی
(فت، ب، بروزن مہنگی) بوجھ لے جانے کی ایک ڈولی۔ ایک لمبے بانس کے دونوں سروں پر رسیوں کے سہارے بوجھ رکھنے کے لیے ترازو کی طرح بڑے بڑے چھینکے سے بندھے ہوتے ہیں ۔

بھانڈ (سکن ن) ناچ گانا اور مسخراپن کرنے والا مخنث یا ان کا طائفہ ۔

بیوری (ی مع) بیوی کا بگڑا ہوا تلفظ ۔

بیساکھ (ی مج بہ فت) گرمی کے موسم کا ایک ہندی مہینہ جو اپریل اور مئی کے لگ بھگ ہوتا ہے ۔

بانک (ن غنہ) ایک قسم کا زیور جس کو ہندو عورتیں پاؤں میں اور مسلمان عورتیں بازوؤں پر باندھتی ہیں نیز ایک قسم کی چوڑی جو عورتیں کلائی میں پہنتی ہیں۔

بجھرا (ی مع) لکڑی کا صراحی دان ۔

بہوڑہ (فت   مج) برات کے دن دلہن کے ساتھ جو کھانا دولہا کے گھر بھیجا جاتا ہے ۔

بکھیر (فت ب، ی مج) شادی کے موقع پر دولہا کے سر سے روپے پیسے نچھاور کرنا ۔

بھگیتا (ی مع) بھانڈوں کا ایک فرقہ ۔

بانسا (ن غنہ) ناک کی ہڈی ۔

بلاق (ضمہ ب) جو دونوں نتھنوں کے بیچ میں پہنا جاتا ہے ۔

بھنڈیلا (ی مج) بھانڈ کی تصغیر، گانے اور ناچنے والا ۔

بھج بند (ضمہ بھ) بازو بند۔ بھج: کہنی کے اوپر کا حصّہ ۔ زیور کا نام ۔

(پ)

پاتراب (ضمہ ت) سفر کی پہلی منزل کے طور پر، نیک ساعت میں ایک مکان سے دوسرے مکان میں چلا جانا ۔

پالکی (سکن ل) لکڑی کی بنی ہوئی صندوق نما چھت اور پردے والی سواری جس کے آگے پیچھے ڈنڈے لگے ہوئے ہوتے ہیں ۔ اس میں کئی سواریاں بیک وقت بیٹھ سکتی ہیں اور کئی آدمی مل کر اٹھاتے ہیں ۔

پائنتی (ضمہ ن غنہ) چارپائی یا بستر کا نچلا حصّہ جس طرف پاؤں پھیلاتے ہیں — سرہانے کی ضد ۔

پپڑیاں بندھنا   ہونٹوں کا پیاس کی شدّت سے خشک ہو جانا ہے ۔

پٹکا (فت پ، سکن ٹ) دوپٹہ جو کمر پر باندھا جاتا ہے ۔

پٹارا (کس پ) بانس یا لکڑی کا بنا ہوا ڈھکنے والا ٹوکرا ۔

پٹاؤ (فت پ) وہ تختہ یا پتھر جو قبر یا کسی اور چیز کو اوپر سے ڈھکنے کے لیے ہو ۔

پٹلیا (ضمہ ب، فت ٹ، سکن ل) چھوٹی گٹھری یا پوٹلی ۔

پرچھانواں (ن غنہ) آسیب یا بھوت پریت کا سایہ، اثر، خلل۔

پٹڑیاں جھولا جھولنے کی لکڑی کی تختیاں جن کے دونوں سروں پر کٹاؤ ہوتے ہیں جن میں رسی پھنسی رہتی ہے۔

پڑوتا چوتھی پشت میں بیٹا اپنے پردادا کا پڑوتا ہوتا ہے۔

پشواز لہنگا جس کی کلیاں آگے سے کھلتی ہیں۔

پلنگ کو لات مار کر کھڑا ہونا زچگی سے صحت پانا۔

پنجیاں (فت پ، سکن ن، کس ج) پانچ شاخوں یا بتیوں والی بانس کی مشعل۔

پوتڑا (و مج) تکونا کپڑا جو شیر خوار بچوں کے کولھوں پر باندھا جاتا ہے تاکہ نیچے کا نہالچہ وغیرہ گندا نہ ہو۔

پھاندیاں (ن غنہ کس د) گنّے کے بندھے ہوئے مٹھے۔

پھلیل (ضمہ پھ ی مج) پھولوں کا خوشبودار تیل۔

پھلروا ہے پھول جیسے خوبصورت، ننھے منّے۔

پیش رفت نہ گئی اپنے قابو یا بس کی بات نہ تھی۔

پیش قبض (ی مج، سکن ب) خنجر، کٹار۔

پیٹی (ی مج) دھات یا لکڑی کی بنی ہوئی صندوقچی، نیز صندوق۔

پٹیاں (ی مج، کس) شیشے یا ابرک کی چھوٹی چھوٹی جامدانیاں یا صندوقچیاں،

پرا باندھنا قطار میں کھڑا ہونا۔

پاتر (ضمہ ت) رنڈی، بیسوا، قحبہ۔

پاؤں پھیرنے جانا (۱) حاملہ دلہن کا پہلوٹھی کے حمل میں زچگی سے پہلے ماں باپ

کے ہاں جانا۔

(۲) زچگی کے بعد چلّہ نہا کر بچّے کو لے کر ماں باپ کے ہاں جانا۔

(۳) ہندو عورتوں کا شادی کے دوسرے روز ماں باپ کے گھر جانا۔

(ت)

تنیڑا (فت ت) پانی گرم کرنے کی گھڑیا۔

ترت کا بچّہ نومولود نیز وہ بچّہ جو معمولی تکلیف کے بعد پیدا ہو جائے۔

تگہ (فت ت، شد گ) (صحیح انگہ) انا یا دایہ کا خاوند۔

تمامی (فت ت) ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔

توشہ (و مج، فت ش) مسافر کا راستے کا کھانا، مردے کی روٹی یعنی جو اس کے نام پر خیرات کی جائے۔

تورا (و مج) مختلف کھانوں کا خوان۔

تھئی تھئی تال اور سم کے ساتھ ناچ۔

تیج (ی مج) ہندوؤں کا ایک مشہور تہوار جو ساون کی تیسری کو منایا جاتا ہے۔

تصرفی رتھ (فت ت ص، شد، ضمہ ر) عام دنوں میں سواری میں کام آنے والا رتھ۔

تخت کی رات شبِ زفاف، دولہا دلہن کے ملنے کی رات۔

ترئی (ضمہ ت، فت ر) بگل، بھونپو، نرسنگا۔

(ٹ)

ٹاٹ بافی جوتی زری اور کلابتو کی کام دار جوتی

ٹٹیاں (پھولوں کی) شادی بیاہ کے موقع پر بانس یا سرکنڈوں کا ایک تخت رواں تیار کیا جاتا تھا جس کو پھولوں وغیرہ سے سجاتے تھے۔ اس پر باجے تاشے والے بیٹھ کر بت بجاتے تھے

ٹھڑیاں (ٹیڑیاں) ایک کھلونا جس پر جھلی منڈھ کر اور پتلے سرکنڈے کے ساتھ باندھ (فت ط، سکن ڑھ) کر چکر دیتے ہیں۔ اس سے ٹرٹر کی آواز نکلتی ہے۔ اس کا مذکر ٹرو ہے۔

ٹکلیوں دار (کس ٹ، سکن ک) بُندکی دار

ٹونا (و مج) جادو

ٹونا بنانا (و مج) گیت سے مسحور کرنا۔

ٹوٹکا (و مج، سکن ٹ) کسی مرض کا علاج یا اپنی مراد حاصل کرنے کا سفلی یا وہمی عمل۔

ٹھلیاں (کس ٹھ) مٹی کی چھوٹی گھڑیاں بے پیندے کی۔

ٹھاٹر بندی روشنی کی ٹٹیوں کا باندھنا۔

ٹیپ ٹاپ (ی مع) بھڑک آرائش، زیبائش، ظاہری، بناوٹ، تکلف۔

ٹھیکرا (ی مع) مٹی کی ٹوٹی ہوئی کونڈی جس میں آنول نال وغیرہ رکھ کر زمین میں دبایا جاتا ہے۔

جان جوان عورتیں (محاورہ) مراد جوان عورتیں۔

جامدانی صبیح جامہ دانی، بو رغ بند نیز شیشے، کاغذ یا ابرک کی صندوقچی جس میں محرم کے دنوں میں گوٹا بھر کے رکھتے ہیں۔

ججاگیریاں یا زچہ گیریاں (ی مع) زچگی کے وقت کے گیت۔

(ج)

جگت سلونا (فت ج) جسے سب پسند کریں۔

جی جم سلامتی سے، بخیروعافیت (عورتوں کی بول چال کا کلمہ)

جنیو (ی، مج) زنار، وہ ڈورا جو ہندو گلے میں بدھی کی طرح ڈالے رہتے ہیں۔

جوک (جونک) (و مج، ن غنہ) ایک خون پینے والا کیڑا جسے جسم کا گندہ خون نکلوانے

کے لیے جسم پر لگواتے ہیں۔ جب تک جونک کا پیٹ خون سے نہ بھر جائے وہ جسم سے علیحدہ نہیں ہوتی۔

جھولیں (و مع) وہ کپڑا جو جانوروں کے اوپر ڈالا جاتا ہے۔

جھنڈولا (فت جھ، و مج) نوزائیدہ بچہ جس کے سر پر پیٹ کے بال ہوں۔

جیجی (ی مع) بہن (عموماً ہندوانی)۔

جیوڑا (ی مع، سکن و) جی کی تصغیر، دل۔

جیٹھ (ی مج) (۱) خاوند کا بڑا بھائی

(۲) ایک ہندی مہینے کا نام جو مئی جون کے قریب ہوتا ہے۔

جیگڑ (ی مع) ٹھلیا، پانی کا گھڑا۔

جی چلنا خفقان، گھبراہٹ ہونا۔

جوگنی (و مج) علم نجوم جاننے والی عورت۔

(چ)

چھاتی توڑنا (دشمن کی) (دشمن کو) پامال کرنا

چٹے بٹے (فت چ، شد ٹ، فت ب) بچوں کی لکڑی کے کھلونے، لٹو کی طرح کے جن میں کوڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔

چراغی (کس چ) وہ نذرانہ جو کسی مزار یا متبرک مقام پر دیا یا چڑھایا جاتا ہے۔

چڑھاوا (فت چ) نذر نیاز کی رقم اور وہ زیور اور نقدی جو منگنی یا شادی پر لڑکے والے لڑکی کو دیتے ہیں۔

چکنی ڈلی (کس چ، فت ڈ) دودھ میں پکا کر چکنی کی ہوئی چھالیہ۔

چلتیاں (فت چ، سکن ک، کس ت) گول مٹول بٹیاں یا بڑی بڑی ٹکیاں۔

چنگیر دان پھولوں کی تھالی۔

چنور (ن غنہ، بروزن کمر) مور کے پروں یا بالوں کا لمبا گچھا جس سے مکھیاں اڑاتے ہیں۔

چوب دار (و مج) نقیب، دربان، عصا بردار،

چوگھڑا (فت چ، سکن و، فت گھ) چار خانوں والا ظرف، عطر دان کی طرح کا جس میں شیشیاں رکھی جاتی تھیں نیز ایک مٹی کا کھلونا جس کی چار کلھیاں آپس میں جڑی ہوئی ہوتی ہیں، اور کبھی کبھی نمکدان کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔

چوتہ (و مج بفت، فت ت) چار تہ والا، چار تہ کیا ہوا۔

چوبیں شامیانے کی لکڑیاں، چوبے کی جمع لکڑی کی میخیں۔

چونچلا (و مج، ن غنہ) ناز، نخرہ

چوانا (فت چ و) ٹپکانا (پانی منہ میں ڈالنا)

چھوچھو (و مع) بچوں کی چھی چھی اور پوتڑے دھونے والی۔

چھی چھی بچّوں کا بول و براز۔

چہرہ مہرہ (کس چ، ضمہ م) ناک نقشہ، صورت، خد و خال۔

چھب تختی (فت چھ) جسم کی خوبصورتی خوش وضعی۔

چھوچھک (و مع، فت چھ) چھٹی کی رسم۔

چھوت (و مع) ناپاک آدمی کا سایہ۔

چھپرکھٹ (فت، چھپ، فت کھ) دلہن کی مسہری جس پر خوشنما کپڑے کی چھت اور پردے ہوتے ہیں۔

چھنگلیا (ضمہ چھ، ن غنہ، فت گ) ہاتھ پاؤں کی سب سے چھوٹی انگلی۔

چٹکی پاؤں میں پہننے کا چھلّا۔

چوگھڑا الائچی دانوں سے بھری ہوئی عمدہ قسم کی الائچی۔

چالا دیکھنا سفر کی مبارک گھڑی کے لیے فال لینا۔

(ح)

حب رنگ (ضمہ ح) من بھاونا رنگ، خوبصورت۔

حصہ بخرہ (فت ب) تحفے کے طور پر کھانے پینے کی چیزوں کا لین دین۔

حلال خوری جھاڑو دینے والی بھنگن، حلال خور کی بیوی۔

حنائی (کس ح) سرخ مہندی کے رنگ کا۔

(خ)

خاص تراش حجام، خط بنانے والا۔

خاصدان گلوری دان، پان رکھنے کی ڈھکنے دار تھالی۔

خاصگی رتھ وہ رتھ جو بادشاہوں اور امیروں کے استعمال میں آئے۔

خرقہ (کس خ) درویشوں کی کملی، گدڑی، پیوند لگا ہوا لباس اور مردے کی کفنی۔

خطمی خیرو کے پھول

خوانچہ (عطر کا) عطر دان۔

(د)

دامن تلے ڈھانکنا اپنی حمایت میں لینا، بیٹی دے کر عزت بخشنا۔

دان جہیز، بخشش، عطا۔

ددھیال (فت سکن دھ) باپ کی طرف کے رشتے دار۔

دمامے (فت د) نقارے، دھونسے جو لکڑی کی چوبوں سے بجائے جاتے ہیں۔

دن لگنا گھمنڈ ہونا، نخوت و غرور پیدا ہونا۔

دوجیا (و مع، کس ی) حمل سے ہونا، امید سے ہونا۔

دوب (و مع) ہری ہری نرم گھاس ۔

دودا (و مع) پیار کے لہجے میں دودھ کو دودا کہتے ہیں ۔

دودھ کا رشتہ سگا رشتہ ۔

دوہر دوہری چادر، دولائی ۔

دھومک دھیا (و مع) غُل غپاڑہ ۔

دھنک (فت دھ،ن) پتلا گوٹا، ایک قسم کی اوڑھنی، قوس قزح ۔

دھیلا (ی مج) آدھا پیسہ ۔

دیورانی (ی مج) شوہر کے چھوٹے بھائی کی بیوی ۔

دلدا پیش گیر (فت د) چھپر کھٹ کے آگے کھڑا کرنے کا چھوٹا سا نمگیرا ۔

دونا (وج بفت) ڈھاک کے پتوں کو موڑ کر بنایا ہوا پیالہ جو شیرینی وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔

دسیا (ی مج) مردے کے دوسری برس کی فاتحہ ۔

ڈ

ڈولا (و مج) محافہ، میانہ، ایک قسم کی گول پالکی ۔

ڈولی (و مج) ہلکی پردے دار سواری، آگے پیچھے بانس، ان کے بیچ میں لٹکی ہوئی پردے پڑی ہوئی چھتری دار کھٹولی جسے کہار کے کاندھوں پر لے جاتے ہیں ۔

ڈولا کس دینا رخصت کر دینا ۔

ڈومنی (و مج) ڈوم کی بیوی، پردہ دار عورتوں میں ناچنے گانے والی عورت ۔

ڈھائی پونی (و مع) کاتی ہوئی روئی کا کچا ڈھائی تار ۔

ڈہکا ڈہکا کر (فت ڈ سکن ہ) ترسا ترسا کر، کسی چیز کو دکھا کر خود لے لینا اور دوسرے

کو نہ دینا ۔

ڈھاٹا مردے کے منہ پر باندھنے کا کپڑا ۔

ڈھول چھاپنا ڈھول کی بیچ کی سطح پر کالا رنگ چڑھانا ۔

(ذ)

ذات الجنب پسلی کا درد ۔

(ر)

رتھ ایک قسم کی پالکی جس کی چھت برجی نما ہوتی ہے اور اس کو بیل کھینچتے ہیں ۔

رخصتانا رخصت کے وقت کا انعام

روگ کاٹنا علّت، بیماری سے نجات دینا ۔

روشن چوکی باجے والوں کی چوکی، خاص طور پر ان چار آدمیوں کا ٹولہ جو دولہا یا بادشاہ کی سواری کے ساتھ نفیری طبلہ اور مجیرے بجاتے ہوئے چلتے ہیں ۔

روٹی کرنا شادی اور غمی کے مواقع پر کھانا کھلانا ۔

روٹ (و مج) بڑی روٹی، ٹکڑ ۔

رہٹ (فت ر، ہ) چرخ، دولاب جس کے ذریعے پانی کنویں سے باہر کھینچا جاتا ہے ۔

راکھی رنگین پھول دار ڈورا جو سلونو کے تہوار پر ہندو عورتیں بھائیوں کی کلائی پر باندھتی ہیں ۔

رولی (و مج) ایک سرخ مرکب چیز جس سے ہندو تلک لگاتے ہیں ۔

(ز)

زردہ زعفران پڑے ہوئے میٹھے چاول، پان میں کھانے کا تمباکو ۔

(س)

ساسو (و مع) ساس، خوش دامن۔

سپاٹ (فت س) برابر، ہموار۔

ست نجا سات قسم کا ملا ہوا اناج
(فت س، سکن ت، فت ن)

ست پوتا (و مع) سات بیٹوں والا۔

ستوانسا (ن غنہ) حمل کے ساتویں مہینے کی رسم۔

سٹھورا (فت س، و مج) وہ حلوہ جو سوجی، سونٹھ، گوند، اور میوہ وغیرہ ڈال کر زچگی کے بعد زچہ کو کھلایا جاتا ہے۔

سٹاسٹ سٹراسٹر، لگاتار۔

سجی (فت س، شد ج) ایک قسم کی کھار جو اسی نام کے پودے کی راکھ سے بنائی جاتی ہے۔

سدھور یا سڈھورا وہ سات طرح کا پکوان، ترکاریاں یا میوہ جو ستوانسے میں (فت س، و ج) دلہن کے میکے کی طرف سے سسرال بھیجا جاتا ہے، ترکاری اور میووں سے دلہن کی گود بھری جاتی ہے۔

سلامی یا سلام کرائی وہ نقدی جو دلہن کے ماں باپ یا رشتے داروں کی طرف سے دولہا کو بوقت رخصت دی جاتی ہے۔

سمدھن دولہا اور دلہن دونوں کی مائیں آپس میں سمدھن کہلاتی ہیں۔
(فت س سکن م، فت دھ) یہ لفظ اصل میں سم بندھن سے بنا ہے۔

سنگوٹیاں وہ غلاف یا پیتل وغیرہ کا خول جو بیلوں کے سینگوں پر حفاظت (کس س، ن غنہ) اور خوبصورتی کے لیے چڑھا دیتے ہیں۔

سنتنیں ختنہ۔

سن مکھ (فت س ضمہ م) روبرو، منہ در منہ، کھلم کھلا۔

سوزنی (و مج) وہ بستر جس میں پتلی پتلی روئی بھر کر سوئی سے بیل دار یا لوزانی نگندے ڈالے جاتے ہیں۔

سواری اتروانا مہمان عورتوں کو ڈولیوں یا گاڑیوں میں سے اتروانے کے لیے آنا۔

سونٹا (و ج، ن غنہ) سونٹھ بادام وغیرہ کو گھوٹنے کا لکڑی کا ڈنڈا جو بالعموم نیم کی لکڑی کا ہوتا ہے۔

سوہا جوڑا (و مج) سرخی مائل کسبنی رنگ کا جوڑا۔

سوبھا سندرتا، خوبصورتی، ٹھاٹ باٹ، رونق۔

سوڑ یا سوہڑ (ضمہ س، و مج) نفاس، زچگی کی ناپاکی۔

سہاگن سو اور بھاگ سے مل کر بنا ہے، سو معنی خوش، بھاگ معنی نصیب یعنی وہ خوش نصیب عورت جس کا شوہر زندہ ہو۔

سیانی ہوشیار۔

سیج بند (ی مج) پلنگ کی چادر کو پایوں سے باندھنے کی ڈوری۔

سیتلا کے کھاجے (ی مع) چیچک کے مریض شیر خوار بچے جن کے زندہ رہنے کی بہت ہی کم امید ہوتی ہے۔

سگن (فت س، گ) شگون۔

سونا جھونا جھونا تابع مہمل۔ سونے کے زیور

سبوداں (ضمہ س، و مع) ٹھلیا کا ڈنڈی دار مسی سر پوش۔

ست کولے (و مج) کوریا کول ہندی میں لقمے کو کہتے ہیں۔ مراد دولہا اور دلہن کو کھیر کے سات سات نوالے کھلانا۔

ساچق (فت چ) اس ترکی لفظ کے مختلف املا ہیں یعنی ساچق ، سچق ، ساچاق، لیکن ساچق (کس چ) زیادہ صحیح ہے - جدید ترکیہ میں اسی لفظ کا تلفظ ساچی اور ساچیغ بھی کیا جاتا ہے اس کا مصدر ساچاق ہے - جس کے لغوی معنی بکھیرنا، پھیلانا، نچھاور کرنا اور نثار کرنا ہیں۔

(ش)

شاہ ٹیم ٹیا (فت ٹ شدی) ناچنے گانے والوں کی ایک جماعت -

شبینہ جوڑا رات کو سوتے وقت پہننے کا لباس -

شنزنجیاں یا شطرنجیاں دری جس پر اکثر شطرنج کے سے خانے بنے ہوتے ہیں -

شملہ (فت ش) کاندھے یا سر پر ڈالنے کی شال ، ایک قسم کی دستار نیز عمامے کا دنبالہ -

شمشیر بند طلائی پیٹی جس میں شمشیر یا پیش قبض وغیرہ لگاتے ہیں -

شیرنی (ی مع) نیز شیرینی ، بمعنی مٹھائی -

شرع تورے والے شرع کے سختی سے پابند -

(ص)

صعوبت سختی ، دشواری ، مشکل ، تکلیف -

(ط)

طباق بڑی رکابی ، تھال ، تسلا -

طبل بڑا ڈھول -

طرّہ پھولوں کی لڑیوں سے بنا ہوا وہ گچھا جو دولہا کے کان پر لٹکایا جاتا ہے -

طشت چوکی بول و براز کا برتن لگن کی شکل کا جو لکڑی کی چوکی نما کھڈی

کے نیچے رکھا جاتا ہے -

طعنے مہنے (کس م) جلی کٹی باتیں ، آوازے توازے ، چھیڑ چھاڑ -

(ع)

عہد نامہ تحریری معاہدہ ، ایک مخصوص دعا نامہ جو امید بخشش کے طور پر مردے کی قبر میں اندر یا باہر طاقچہ بنا کر رکھ دیتے ہیں -

علی بند زیور کی ایک قسم جسے عورتیں کلائی پر اور ہاتھوں کی انگلیوں میں بھی پہنتی ہیں - ایک قسم کا تعویز جو جادو کے اثر کو زائل کرتا ہے -

علی ہذا علی ہذا القیاس کی تخفیف یعنی اس قیاس پر (ہذا کا تلفظ ہاذا = یہ)

عوام کالانعام (فت ک سکن ل) عام لوگ جو مثل مویشیوں کے شمار ہوں -

(غ)

غوری تانبے کی کنگورے دار رکابی -

(ف)

فصد کھولنا، لینا رگ سے خون لینا، نشتر زنی -

فی سبیل اللہ خدا کی راہ میں ، خدا کے نام پر -

(ق)

قبا دوہرا روئی دار سینہ کھلا ہوا جامہ

قبر ماہی پشت وہ قبر جو دونوں طرف سے ڈھلواں سرہانے کی طرف سے اونچی اور پاؤں کی طرف پتلی ہوتی ہے -

قبر جھنکانا موت یا قبر میں جانے کا وقت یاد دلانا - زچگی سے قبل زچہ کے پلنگ کا سرہانہ جانب شمال اور پائنتی جانب جنوب کرنا -

یاری نہیں دیتا (یاری = مدد ساتھ) "قلم یاری نہیں دیتا" لکھا نہیں جاتا -

قل (ضمہ ق) لفظی معنی "کہہ"، سورۂ اخلاص، سورۂ ناس، سورۂ فلق اور سورۂ قل یاایہاالکافرون سے مراد ہے جنھیں چاروں قل بھی کہتے ہیں۔

(ک)

کابین نامہ (کس، ب ی مع) بروزن آئین — مہر نامہ، وہ کاغذ جس پر مہر کی رقم اور اقرار و مدار لکھا جاتا ہے۔

کاجو بھوجو (ضمہ ج و مع، ضمہ بھ و ج ضمہ ج، و مع) نازک کمزور، دکھاوے کا، ظاہر میں خوش نما اصل میں کمزور۔

کاجل پاڑنا چراغ کی لو کی کالک کسی چیز پر جمانا۔

کان بندھا (فت ب، ن غنہ) کانوں میں زیور پہننے کے لیے سوراخ کرنے والا۔

کرچ (کس ک ر) ریزہ، ذرّہ۔

کسنا (فت ک) پٹاری کا غلاف، بقچہ بند، گٹھڑی باندھنے کا ڈوری کسا ہوا کپڑا۔

کلاوہ (فت ک) سرخ اور زرد رنگ کا گنڈے دار رنگا ہوا کچّا سوت جو بیاہ شادی میں ٹھلیوں وغیرہ پر باندھتے ہیں۔

کلس براجنا کلس معنی قبہ، گنبد کے اوپر کی کلغی، براجنا معنی دکھائی دینا۔

کلسی کلغی۔

کلیاں کپڑے کے تکونے ٹکڑے جو کرتوں اور پاجاموں میں لگائے جاتے ہیں۔

کنچنیاں (فت ک، سکن ن، چ کس ن) ناچنے گانے والی پیشہ ور عورتیں۔

کنول ایک سرخ کاغذ یا ابرق کا پھول یا شیشے کا ظرف جس میں موم بتی یا شمع روشن کرتے ہیں۔

کوٹ (و ج) قلعہ، محل

کوزہ (و مع) مصری کا گول گول ڈلا۔

کونڈا (و مع) نیاز نذر کی چیزوں کے لیے مٹی کا بڑا ظرف۔

کھانچیاں (ن غنہ، کس چ) بانس کی کھپچیوں کے بنے ہوئے بڑے بڑے جالی دار ٹوکرے۔

کھپچی (فت کھ، پ شد چ) بانس کے پتلے اور چوڑے چرے ہوئے ٹکڑے۔

کھجلے (فت ک، سکن ج) ایک مشہور پرت دار، کراری مٹھائی۔

کھم (فت کھ) تھم، ستون، بَلّی۔

کھیس (ی مج) اوڑھنے یا بچھانے کے لیے موٹی بناوٹ کی چادر۔

کھنکڑیاں (ن غنہ، سکن ک) ایک قسم کے پاپڑ، کراری پوریاں یا مٹھریاں۔

کھیلیں (ی مع ی مج) بھنے اور کھلے ہوئے چاول جن پر مٹھاس چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔

کیسہ (ی مع) تھیلی، یہاں مراد وہ کپڑے کی تھیلی جسے ہاتھ میں پہن کر مردے کا جسم دھوتے ہیں۔

کھانچا (ن غنہ) جھاؤ کا بنا ہوا سرپوش کی قطع کا ایک ڈھکن جو کھانوں کے خوان پر رکھا جاتا ہے۔

کونڈی (و مع) مٹی کا چھوٹا پیالہ۔

کڑوی روٹی یا کڑوی کھچڑی حاضری کا کھانا جو رشتہ داروں کی طرف سے مرحوم کے گھر میں بھیجا جاتا ہے۔

(گ)

گاجر کی پنڈی کا پھول گلاب۔ دہلی میں زیادہ تر "گلاب کی جگہ" "گل خیرو" بولتے تھے۔

گت بنانا ایسا خراب حال کرنا کہ لوگ اس پر ہنسیں۔

گدبد (فت گ، ب) ایک کے اوپر دوسرے کا گرنا۔

گردنی گھوڑے کی گردن پر ڈالنے کا کپڑا۔

گردا (کس گ) حلقہ، چکر

گڑیا سنوارنا — غریب آدمی کا حسبِ حیثیت بیٹی کا جہیز دینا۔
گڑ بھیلی — گڑ کی چکتی۔
گنڈے (فت گ، سکن) چار کوڑیوں کا ایک گنڈا ہوتا ہے۔
گوٹا کناری (و مج) چاندی سونے کی بنی ہوئی لیس اور پھول۔
گوشوارہ — آویزہ، کان کا بُندا۔
گھٹ میں بیٹھی ہوئی رگ و پے میں سرایت کی ہوئی
گھنگھنیاں (ضمہ گھ، ان غنہ، سکن گھ) ابلے ہوئے نمکین چنے، جوار یا اُبلی ہوئی گیہوں۔
گھوڑی (و مج) قینچی نما کھپچی کا بنا ہوا آلہ جو ختنہ کرنے والے جراح استعمال کرتے ہیں۔
گھنیلی (ی مج) زنانہ جوتی جو آگے سے اوپر کی طرف زیادہ مڑی ہوئی ہوتی ہے۔
گھڑونچی (فت گھ، و مج بفت ان غنہ) لکڑی کا چوکھٹا جس پر مٹکے رکھے جاتے ہیں۔
گئو (فت گ، و مع) اصل معنی گائے، یہاں مراد گائے کی طرح تابع اور فرماں بردار
گنگا جمنی — سنہری روپہلی۔
گرہ گوچر (و مع) گرہ، ہندو علم جوتش کے مطابق نو سیارے، گوچر علم جوتش کا عامل، نیک و بد ساعت بتانے والا۔

(ل)

لاڈو — عزیز، پیاری بیٹی یا دلہن۔
لپ بنوانا — دونوں ہاتھوں کو ملا کر پھیلوانا۔
لچھمی چلی — خوش نصیب، دولت مند بیٹی رخصت ہونے لگی۔
لٹکن — گھڑے رکھنے کی گھڑونچی۔

لگنی — پان رکھنے کا برتن جو عموماً پان دان کے اندر رکھا ہوتا ہے۔
لگن — منہ دھونے کا طشت
للنا — پیار سے بچے کو للنا کہا جاتا ہے۔
لٹ — چند بالوں کا مجموعہ، لڑ
للّٰہ — خدا کے واسطے، خدا کے نام پر۔

(م)

مانی — بچوں کو کپڑے پہنانے والی۔
مان گون — اصل میں مان گمان ہے۔ معنی چاؤ چونچلا، ناز نخرہ۔
مبادرت — جرأت، بیباکی، دلیری۔
مبرم — وہ چیز جس کا ہونا یقینی ہو۔
مجاز — بااختیار، مختار۔
مجرا — ناچ گانا جو بطور سلام امراء کے روبرو یا بیاہ شادی میں کیا جاتا ہے۔ سلام، آداب۔
مونڈن (و مع) بال مونڈنا۔
مرمرے — بھُنے ہوئے پھیکے چاول
مرفہ (فت م، سکن ر) ڈھول طبل وغیرہ
مردہ شو (و مع) مردوں کو نہلانے والے۔
مسلمانی — رسمِ ختنہ۔
مسّی (ضمہ م) دانتوں پر پھیرنے کا باریک سفوف جس کا جزوِ اعظم تانبا ہے۔ مازو پھل، لوہ چون اور طوطیا سے تیار کیا جاتا ہے، دانتوں پر ملنے سے سیاہ ریخیں جم جاتی ہیں۔ سنگار کی اشیا میں ہے۔

مستک (فت م،ت) ہاتھی کی پیشانی، ماتھا۔

مسند (فت م) لغوی معنی تکیہ، مکلّف امیرانہ گدی جس کے دونوں پہلوؤں میں تکیے ہوتے ہیں۔

مسیں بھیگنا موچھوں کے روئیں نکلنا، سبزہ آغاز ہونا۔

مشعل (کس م) شمع، مراد موٹا فلیتہ۔

مشجر (فت م، شد ج) پھول دار کپڑا۔

معجل (ضمہ م، فت ع شد ج) دست بدست، ہاتھوں ہاتھ، عند الطلب مہر جو نکاح کے وقت واجب الادا ہو۔

(کس م، سکن ق فت ن) برقع، نقاب، گھونگٹ، مقنع۔

مقیش (ضمہ م، ی مج بفت) نقرئی یا زری کا بادلہ۔

مکروہات دینوی مخمصے، بیہودہ رسوم، گھناؤنی چیزیں۔

ملیدہ گیہوں یا باجرے کی روغنی روٹی کو چور کر شکر یا چینی میں ملا کر بنائی ہوئی میٹھی چیز۔

مولودی پیدائشی۔

مناکحت (فت ک) ازدواج، عقد، نکاح۔

منسوب متعلف، جس سے نسبت یا منگنی ہوئی ہو۔

مندیل (فت م، سکن ن، ی مع) طلائی پگڑی۔

منہاریاں (فت م، سکن ن ھ) چوڑیاں فروخت کرنے اور پہنانے والی عورتیں۔

منصہ (فت م ن، شد ص) جلوہ گاہ، دلہن کے بیٹھنے کی چوکی یا تخت۔

منڈھا (فت م، ن غنہ) دلہن کا رخصتی یا وداعی گیت۔

منڈھا چھوانا (فت چھ) شادی کا شامیانہ کھڑا کرنا۔

موجل (ضمہ م، شد ج بفت) جس میں مہلت ہو، معجل کا نقیض وہ مہر جو نکاح کے بعد کبھی ادا کیا جائے۔

مہورت (فت م، و مع فت ر) شبھ گھڑی، مبارک وقت۔

میکہ (ی لین) دلہن کے ماں باپ کا گھر۔

مقابہ (صحیح مقابا) سنگاردان۔

مٹی دینا بعد دفن قبر پر خاک کی تین مٹھیاں ڈالنا۔ اس کے ساتھ یہ آیت بھی پڑھی جاتی ہے۔ منھا خلقنٰکم و فیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃً اُخریٰ۔

مشاطہ (فت م، شد ش) وہ عورت جو زن و مرد کی نسبت تلاش کرے اور شادی کرائے نیز وہ عورت جو عورتوں کو بناؤ سنگار کرائے۔

(ن)

نال نومولود بچّے کی ناف کی آنت۔

نجیب الطرفین صحیح النسل ماں باپ دونوں کی طرف سے اچھّے خاندان والا۔

نربھاگی (کس ن) بدقسمت۔

نشان کا ہاتھی وہ ہاتھی جو جلوس کے آگے آگے چلتا ہے۔

نفس امّارہ (فت ا، شد م) انسان کی شیطانی صفت، اصطلاح تصوّف میں وہ نفس یا انسانی خواہش جو غیر شرعی باتوں کی مرتکب ہو۔

نقّارہ (شد ق) دھونسہ، طبل، کوس۔

نم گیرا (ی مع) وہ کپڑا جو بطور سائبان اوس سے محفوظ رہنے کے لیے پلنگ پر چھت گیری کی طرح لگا دیتے ہیں۔

ننھیال ماں کی طرف کے رشتے دار

نوناسا — ایامِ حمل کے نویں مہینے کی رسم۔

نوبت چھاپنا — ڈھول یا طبلے پر منڈھی ہوئی جھلّی کے بیچوں بیچ کالا رنگ چڑھانا۔

نہرنی (ضمہ ن، فتح ہ) — چھوٹا ناخن گیر۔

نیمہ آستین — آدھی آستینوں کی مرزئی۔

نکسیر (کسر ن) — ایک قسم کا زیور جسے عورتیں ناک میں پہنتی ہیں۔

نیگ (ی مج) — بیاہ میں رشتہ داروں کو دیے جانے والی نقدی جو بطور حق رسماً دی جاتی ہے۔

نت نت (کسر ن) — نئی نئی، تازہ بہ تازہ۔

(و)

وار — باری

وار پھیر — صدقے اور نچھاور کی رقم جو دلہن یا دولہا کے سر سے وار کر کے ڈومنیوں کو دی جاتی ہے۔

ولی — سرپرست، وارث۔

ولنگ — (یارولنگ، خوش ولنگ) ولنگ کا صحیح املا "اولنگ" بلکہ زیادہ صحیح "اولونگ ہے" اور صیغہ امر ہے بمعنی ہو، ہو جاؤ۔ اصل بول کا ترجمہ ہے:

یار ہو، خوش رہو، یار، بار، یار۔

(ھ)

ہاتھ پاؤں سے چھوٹنا — زچگی یا بیماری سے صحت پانا۔

ہرات کا جوڑا — شہر ہرات کے بنے ہوئے کپڑے کا جوڑا۔

ہفت خوان رستم — مشکل اور پریشانی کی منزلیں۔ اشارہ ہے ان منزلوں کی طرف جو رستم نے بادشاہ ایران کو قید مازندراں سے آزاد کرنے کے لیے سر کی تھیں۔

ہولر — نوزائیدہ بچّہ۔

ہوا (شد و) — بیجا، لولو، فرضی بلا جس سے بچّوں کو ڈرایا جاتا ہے۔

ہودہ — (اصلاً حوضہ) ہاتھی کی کھلی ہوئی عماری۔

ہیجڑا — زنانہ، مخنّث، گویا بھانڈ۔

(ی)

یارولنگ — دیکھیے ولنگ۔

اشارات:-

فت = فتحہ، کس = کسرہ، ضمہ = ضمہ (پیش)، سکن = سکون (جزم) شد = تشدید، و مج = مجہول (جیسے گول) ی مج = ی مجہول، (جیسے تیل) و مج بفت = و مج بفتحہ (جیسے حوض) ی مج بفت = ی مجہول بفتحہ (جیسے خیر)-